وَ قَدْ اَخَذَ مِیْثَاقَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ

ماہنامہ

میثاق

لاہور

زیرِ سرپرستی
مولانا امین احسن اصلاحی

مدیر
اسرار احمد

جلد ۱۴ — ستمبر و اکتوبر ۱۹۶۷ء — شمارہ ۳ و ۴

قواعد و ضوابط

☆ "میثاق" ہر ماہ کی پانچ تاریخ تک سپرد ڈاک کیا جاتا ہے۔
پرچہ نہ ملنے کی اطلاع زیادہ سے زیادہ بیس تاریخ تک دفتر کو موصول ہو جانی چاہئیے ورنہ دوبارہ پرچہ ارسال نہیں کیا جا سکے گا۔

☆ ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔
پرچہ صرف بذریعہ وی پی پی ارسال ہوگا — کمیشن ۲۵ فی صد — محصولڈاک بذمہ میثاق۔

ہندوستانی خریدار

مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک جگہ رقم ارسال کر کے ہمیں مطلع فرما دیں۔

۱۔ دفتر ماہنامہ الفرقان، کچہری روڈ، لکھنؤ
۲۔ دائرہ حمیدہ، سرائے میر، اعظم گڑھ

سالانہ زرِ مبادلہ ساڑھے سات روپے

مشرقی پاکستان سے بذریعہ ہوائی ڈاک پندرہ روپے

جملہ خط و کتابت اور ترسیلِ زر کیلئے پتہ: دار الاشاعۃ الاسلامیہ
امرت روڈ - کرشن نگر - لاہور - ۱

آپ کے خطوط سے

''اگست کے شمارے میں مولانا اصلاحی مدظلہ کی تفسیر ''تدبر قرآن'' کے بارے میں یہ اعلان پڑھ کر کہ وہ اس ماہ کے آخر تک مارکیٹ میں آ رہی ہے از حد خوشی ہوئی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا انعام و احسان ہے کہ اس قدر شاندار اور پائدار خدمت کی سعادت مبداء فیاض نے آپ کو عطا کی۔ آپ بجا طور پر مبارک کے مستحق ہیں۔

مولانا ابوالکلام آزاد رح عمر بھر اپنی تصانیف کی طباعت کے سلسلے میں اعلیٰ اور نفیس معیار کو ترستے رہے ہمارے مولانا مدظلہ، خوش قسمت ہیں کہ ان کی کتاب شایان شان معیار پر شائع ہو رہی ہے۔ خدا کرے وہ یہ اہم فریضہ پوری طرح سرانجام دے سکیں۔

'تزکیہ نفس' پاک و ہند میں جن ناشرین نے شائع کی ہے ان کا معیار طباعت بے حد خراب ہے۔ 'دعوت دین' جیسی کتاب کے لئے جی چاہتا ہے کہ بہترین جلد کے ساتھ خوشنما شائع ہو۔ پھر مولانا کی 'اسلامی ریاست' ہے جو 'حقیقت توحید و تقویٰ' وغیرہ کے سلسلے کی طرح نا مکمل ہے۔ اگر احسن طریقے پر اور موضوع کے لحاظ سے یکجا شائع ہوں تو زیادہ نافع رہیں۔۔۔۔۔۔۔۔'اسلامی قانون کی تدوین' حکیم اشرف صاحب نے بڑے اچھے طریقے سے شائع کی ہے۔
مولانا کے 'تدبر قرآن' کے لئے جناب خالد مسعود صاحب کا سلسلہ افادات فراہی رح بھی خاصہ قیمتی ہے۔''

انوار احمد بگوی ایم بی بی ایس
جامعہ عزیزیہ، بھیرہ

★

''۱۔ جون کا تذکرہ و تبصرہ پڑھکر طبیعت خوش ہوگئی۔ اللہ جزائے خیر دے، بہت عمدہ بہت جامع اور بھرپور۔ اسے کتابی شکل میں جلد شائع ہونا چاہئے۔ احباب میں سبھی نے پسند کیا ہے۔
اس موضوع پر آپ کو مزید شرح و بسط سے لکھنا چاہئے۔ ورنہ کم از کم یہ مقالہ پمفلٹ کی شکل میں ضرور شائع کر دیں۔

نجیب صدیقی - سکھر

☐ اس جگہ سرخ نشان کا مطلب یہ ہے کہ اس شمارے کے ساتھ آپ کا زرمبادلہ ختم ہوچکا ہے — آئندہ کے لئے

★ سالانہ زرمبادلہ مبلغ ساڑھے سات روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمادیں — یا

★ اگر آپ کسی وجہ سے خریداری جاری رکھنا نہ چاہیں تو ہمیں مطلع فرمادیں ———— ورنہ

★ آئندہ شمارہ آپ کو سالانہ زرمبادلہ اور محصولڈاک کی مالیت کا وی پی ارسال ہوگا اور اس کو وصول کرنے کے آپ اخلاقاً ذمہ دار ہوں گے۔

فہرستِ مضامین

- ★ تذکرہ و تبصرہ ——— اسرار احمد ۳
- ★ اجتماع رحیم یار خاں ———
  - ● ترمیم شدہ قرارداد ۱۲
  - ● توضیحات ۱۴
  - ● تقریر مولانا امین احسن اصلاحی ۲۱
  - ● الوداعی خطاب 〃 〃 ۳۲
- ★ تدبر قرآن ——— مولانا امین احسن اصلاحی
  - سورۂ نساء (۱۰) ۴۷
- ★ افادات ———
  - ● اسالیب قرآن (۱۰) .. .. خالد مسعود ۵۷
- ★ مطالعہ حدیث ———
  - ● جہادِ اعظم .. .. مولانا عبد الغفار حسن ۶۵
- ★ مقالات ———
  - ● پردہ اور قرآن مجید .. .. مولوی ممتاز حسین (مرحوم) ۷۳
  - ● اس خلا کو پر کیجئے (ترجمہ) - - - مولانا ابو الحسن علی ندوی ۸۱
  - ● عظمتِ تخلیق اور ارتقائے انسانی .. .. .. اظہار احمد قریشی ۔ جوہرآباد ۸۸
- ★ تقریظ و تنقید ———
  - ● نوائے پہلوی کلام فارسی مولانا فراہیؒ م ۔ م ۔ م ۹۱
  - ● سیدنا معاویہؓ (حکیم محمود احمد ظفر) مولانا امین احسن اصلاحی ۹۳
  - ● تبصرہ محمودی بر هفوات مودودی (محمود احمد عباسی) ادارہ ۹۶
- ★ رسید کتب ——— ——— ——— ع ۔ د ۹۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تذکرہ و تبصرہ

مخدومی مولانا عبد الغفار حسن اور محترمی شیخ سلطان احمد صاحب کی تحریک و تجویز پر ایک نئی دینی تنظیم کے قیام کے امکانات کے جائزے اور اس سلسلے میں دیرینہ رفقاء کے ساتھ تبادلۂ خیالات کا جو سلسلہ کوئی سے تقریباً سوا سال قبل شروع ہوا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ گذشتہ ماہ وہ ایک فیصلہ کن نتیجے تک پہنچ گیا ——— اور بالآخر ایک نئی اسلامی تنظیم کے قیام کا حتمی فیصلہ کر لیا گیا ———!

بندوں کا کام صرف یہ ہے کہ اخلاصِ نیت اور صمیمِ قلب کے ساتھ کسی بھلے کام کا ارادہ کر لیں۔ اور اپنے اس قصد و ارادے کو بھی کمالِ ذاتی نہ سمجھیں بلکہ اسے بھی سراسر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور احسان و انعام سمجھ کر اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائیں کہ ——— اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَ مَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ——— باقی رہا کسی ارادے کی تکمیل کا معاملہ تو یہ بات ہر بندۂ مومن پر پوری طرح واضح رہنی چاہئے کہ بڑے ارادے اور اونچے عزائم تو دُور رہے حقیقت یہ ہے کہ انسان کسی چھوٹے سے چھوٹے معاملے کی تکمیل پر بھی بذاتِ خود قادر نہیں ہے بلکہ ہر مرحلے تائید ایزدی اور نصرتِ خداوندی کا محتاج ہے۔ اپنی جملہ انفرادی و اجتماعی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ایک ایسی نئی دینی تنظیم کا قیام جو ہر ایک کے ساتھ نصح و خیر خواہی کا تعلق رکھتی ہو فی نفسہٖ ایک انتہائی نازک ذمہ داری اور بڑا کٹھن کام ہے اور اس کی عمل تکمیل اللہ تعالیٰ کی رہنمائی اور نصرت اور امداد کے بغیر ہرگز ممکن نہیں ——! رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ، اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَ اَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّ ارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ ——— آمین یا ربّ العالمین!

میثاق کے گذشتہ شمارے سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مندرجہ بالا مقصد کے تحت ایک "باقاعدہ نظم کے قیام تک تمام مراحل کی تکمیل کے لئے ایک مجلسِ مشاورت" کا قیام عمل میں لایا گیا" تھا۔ اس مجلس نے اس قرارداد کی توثیق بھی کی جس پر ابتداءً چند رفقاء نے اتفاق کیا تھا ——— اور اس کی ایک مختصر وضاحت بھی مرتب کی تاکہ اس کے منشاء و مفہوم کے تعین میں" آسانی ہو اور یہ بات ایک حد تک واضح ہو جائے کہ پیشِ نظر اجتماعیت

کے اغراض و مقاصد کیا ہیں اور ان کے حصول کے لئے کونسا طریق کار اختیار کیا جائے گا ـــــ قرارداد کی یہ توضیح گزشتہ 'میثاق' میں شائع ہو چکی ہے!

ستمبر کی ۶، اور ۷ تاریخ کو رحیم یار خان میں اُس مجلس مشاورت کا ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں بعض حضرات کو بطور خاص بھی مدعو کیا گیا تھا ـــ پھر ۸ اور ۹ کو وہیں ایک وسیع تر اجتماع ہوا جس میں ضلع رحیم یار خان کے علاوہ لاہور، منٹگمری، کراچی اور سکھر سے رفقاء نے شرکت کی ۔

'مجلسِ مشاورت' نے اپنی ہی طے کردہ قرارداد اور اس کی شائع شدہ توضیح پر از سرِ نو نظر ثانی کی اور ان دونوں کے اصل مفہوم و منشا کو برقرار رکھتے ہوئے بعض ایسے غیر ضروری جملوں کو حذف کر دیا جن سے غلط فہمی پیدا ہونے کا امکان تھا یا جو خواہ مخواہ کسی کی دلآزاری کا سبب بن سکتے تھے ـــ اس لئے کہ مطلوب دراصل نہ کسی کی مخالفت ہے نہ دل آزاری، بلکہ صرف یہ ہے کہ مدعا واضح ہو جائے اور جو کام جس طرح کرنے مقصود ہیں ان کی نشاندہی ہو جائے!۔ یہ متفقہ قرارداد اور اس کی متفق علیہ توضیحات دونوں چونکہ آئندہ تنظیم کے قیام اور اس کی عملی جدوجہد کے دوران رہنما اصولوں کا کام دیں گے لہٰذا ان کو ترمیم شدہ صورت میں اس پرچے میں بھی شائع کیا جا رہا ہے اور انشاء اللہ جلد ہی ایک پمفلٹ کی صورت میں بھی شائع کر دیا جائے گا ـ ! ـ 'مجلسِ مشاورت' جو اس سے قبل پانچ ارکان یعنی مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا عبد الغفار حسن، شیخ سلطان احمد، سردار محمد اجمل خان لغاری اور راقم الحروف پر مشتمل تھی اس نے اپنے اس اجلاس میں دو اور حضرات یعنی مولانا عبد الحق جامعی اور ڈاکٹر محمد نذیر مسلم کو بطور مستقل ارکان شامل کرنے کا فیصلہ کیا ـــ!

۸ ستمبر کو اجتماع کا آغاز مولانا عبد الغفار حسن کے درس قرآن سے ہوا، مولانا نے آیات کریمہ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا سے الیٰ قولہ تعالیٰ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ کا درس دیا ۔ اور ان کے ضمن میں ایمان باللہ، دعوت الی اللہ، صبر و استقامت، اور استعاذہ کی تشریح و توضیح کی ـ اس کے بعد شیخ سلطان احمد صاحب نے مختصراً اس دینی تنظیم کے قیام کی تحریک و تجویز اور پھر ایک سال کے دوران کی گفت و شنید اور مختلف مراحل کی روداد اور تحریک کی تفصیل بیان کی ـ اور اس کے بعد ترمیم شدہ قرارداد مع توضیحات پڑھ کر سنا دی گئی تاکہ تمام شرکاء مجلس اس پر غور فرمائیں ۔ دوسری نشست میں مولانا امین احسن اصلاحی نے اس قرارداد کی مزید تشریح کی اور اس کے مضمرات و مقدرات کو مزید واضح کیا ـــ تیسری نشست میں مولانا عبد الغفار حسن نے پیش نظر اجتماعیت کی بعض خصوصیات اور مابہ الامتیاز امور کو واضح کیا ۔

۹ ستمبر کی صبح کو اجلاس کی کارروائی مولانا امین احسن اصلاحی کے درس قرآن سے شروع ہوئی مولانا نے سورۂ صف کے پہلے رکوع کا درس دیا ۔ اس کے بعد بعض معاملات پر تبادلۂ خیال اور بعض تجاویز پر غور و خوض ہوا۔ بالخصوص قرارداد کی مع توضیحات توثیق ہوئی اور مولانا اصلاحی کے الوداعی خطاب سے اجتماع کی کارروائی مکمل ہو گئی ۔

مولانا امین احسن اصلاحی کی مندرجہ بالا دونوں تقریریں اس اشاعت میں شامل کی جا رہی ہیں اور "اجتماعیت جدیدہ کی خصوصیات" کے موضوع پر مولانا عبد الغفار حسن کی تقریر انشاء اللہ آئندہ شمارے میں شائع کر دی جائے گی ـــ تاکہ پیشِ نظر اجتماعیت کے ابتدائی مجوزین کے ذہنوں میں اس کے اصول و فروع کا جو نقشہ ہے وہ مزید واضح ہو جائے ۔

اجتماع رحیم یار خان کے دوران بہت سے پرانے رفقاء سے ملاقات اور تبادلۂ خیالات کا موقع ملا تو راقم الحروف کے اس تاثر کو تقویت حاصل ہوئی کہ جماعت اسلامی سے علیحدہ ہونے والے لوگوں میں سے ایسے حضرات کو چھوڑ کر جو اپنی [illegible] کی بناء پر علیحدہ ہوئے یا کسی دینی و اخلاقی کمزوری کے سبب سے علیحدہ کر دئیے گئے، پالیسی اور طریق کار سے اختلاف کی بناء پر جتنے لوگ جماعت سے علیحدہ ہوئے، چاہے وہ حال ہی میں علیحدہ ہوئے ہوں، چاہے آج سے دس برس قبل اور چاہے اس سے بھی پہلے، ان سب کا طرز فکر تقریباً یکساں اور سوچنے کا انداز بہت حد تک مشابہ ہے۔ ان کے نقطۂ نظر میں تھوڑا بہت فرق اگر ہے بھی تو صرف اس اعتبار سے کہ کسی کے نزدیک اختلاف کا کوئی ایک پہلو اہم تر ہے اور کسی کے نزدیک کوئی دوسرا، یا آخری تجزیے میں کسی کے خیال میں اصل غلطی کوئی سی ہے اور کسی کے خیال میں غلطی کا اصل سبب کوئی دوسرا ہے ـــ پھر کچھ اسی بنا پر اور کچھ ذاتی رجحانات اور ذوق کے فرق کی بنا پر کسی کے صبر کا پیمانہ کسی مرحلے پر لبریز ہوا اور کسی نے کسی دوسرے مرحلے پر طے کیا کہ اب مزید ساتھ چلنا ممکن نہیں ۔ چنانچہ مختلف اوقات میں علیحدگی کے وقت علیحدگی کے جو اسباب بیان ہوئے وہ بھی لازماً ایک دوسرے سے کسی قدر مختلف تھے ـــ بایں ہمہ تھوڑے سے تبادلۂ خیال اور باہمی گفتگو سے یہ حقیقت دو اور دو چار کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ فی الواقع سب کا طرز فکر اور نقطۂ نظر تقریباً یکساں ہے ۔ اور مختلف کڑیوں کو جوڑنے سے جو مکمل نقشہ بنتا ہے وہ سب کے نزدیک متفق علیہ ہے ـــ!!

بدقسمتی سے ماضی میں جماعت سے علیحدہ ہونے والے لوگوں کے مابین نقطۂ نظر کے اس باریک فرق پر جو مندرجہ بالا اسباب کی بنا پر پیدا ہوا تھا کچھ تو رفقاء خود بھی زیادہ زور دیتے رہے اور کچھ باہر کے لوگوں نے اسے زیادہ ہی شہرت دے دی، نتیجہ یہ نکلا کہ تل کا پہاڑ بن گیا ؎

کچھ تو مرتے بھی ہیں الفت میں جنون کے آثار ، اور کچھ لوگ بھی دیوانہ بنا دیتے ہیں!

چنانچہ کبھی یہ کہا گیا کہ جماعت سے علیحدہ ہونے والوں میں سے کوئی دو افراد بھی باہم متفق نہیں ہیں، ـــ کبھی یہ پھبتی چست کی گئی کہ "ان میں سے ہر شخص لیڈر ہے!" ـــ اور کبھی اپنے معتقدین کو یہ دلاسا دیا گیا کہ "آپ مطمئن رہیں، یہ خوارج کبھی جمع نہیں ہو سکتے!" اور ان باتوں کا واقعۃً کچھ ایسا نفسیاتی اثر پڑا کہ خود علیحدہ ہونے والے لوگوں میں سے بعض اس بات سے مایوس ہونے چلے گئے کہ وہ دین کی کسی چھوٹی یا بڑی خدمت کے لئے

جمع ہو سکتے ہیں!

اوّل تو جو لوگ جماعتِ اسلامی میں شامل ہوئے تھے وہ سیاست بازی کے کسی کھیل کے لئے جمع نہیں ہوئے تھے بلکہ جماعت میں ان کی شمولیت ایک خالص دینی مقصد کے تحت اور اپنی دینی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لئے تھی۔ لہٰذا جب ایسے حالات پیدا ہوئے کہ ان کے لئے جماعت میں شامل رہنا ممکن نہ رہا تو یہ حادثہ ان لوگوں کے لئے جنہوں نے عمرِ عزیز کے دس دس، پندرہ پندرہ بلکہ سترہ سترہ سال اس کی نذر کئے تھے کوئی معمولی حادثہ نہ تھا۔ ان پر صدمے کی کیفیت کا طاری ہونا بالکل فطری تھا ــــ پھر جماعت کے مخصوص تنظیمی ڈھانچے کی بنا پر ان میں سے ہر ایک نے ہر مرحلے پر اپنا لائحہ عمل خالصۃً اپنی ذاتی سوجھ بوجھ پر طے کیا۔ چنانچہ کوئی کسی مرحلے پر کارواں سے ٹوٹا اور کوئی کسی مرحلے پر برگشتہ ہوا اور مختلف لوگ مختلف اوقات میں جماعت سے علیحدہ ہوئے ــــ بنا بریں ان کا فوری طور پر کسی نئے نظم میں منسلک ہونا خارج از امکان تھا۔ بعد میں جوں جوں وقت گزرا اور روابط کم ہوئے اور افہام و تفہیم کے مواقع نہ رہے تو نقطۂ نظر کا وہ باریک سا فرق جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اہمیت اختیار کرتا چلا گیا۔ ہر شخص کی سوچ اپنے ہی زاویے پر آگے بڑھتی گئی اور بعض اوقات بالکل متضاد باتیں بھی سنائی دینے لگیں ــــ چنانچہ شماتتِ ہمسایہ کے لئے بنیاد فراہم ہو گئی ــــ! اور وہ سب کچھ کہا گیا جس کا تذکرہ اوپر کیا جا چکا ہے!

اس داستان کو دہرانے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ بعض رفقاء کے ذہنوں پر جماعت سے علیحدہ ہونے والوں کے باہمی اختلافات کے چرچے کا خاصہ اثر ہے اور اس امر کی واقعی ضرورت ہے کہ ملاقاتوں اور گفتگوؤں کے ذریعے ایک دوسرے کے موقف کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ تجربے سے ثابت ہو چکا ہے کہ جیسے ہی روابط استوار ہوتے ہیں، باہم افہام و تفہیم کا موقع ملتا ہے اور مابہ الاختلاف مسائل کے ساتھ ساتھ ان وسیع تر اور اہم تر امور پر نظر جاتی ہے جن میں کامل اتفاقِ رائے پایا جاتا ہے اور جن کی بنا پر سب لوگ دس دس، پندرہ پندرہ اور بعض حالات میں سترہ سترہ سال ایک ہی اجتماعیت میں فعال کارکنوں کی حیثیت سے شریک رہے تھے تو اختلاف 'نسیاً منسیاً' ہو جاتا ہے اور وہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ ع

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا   میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے!

جتنی بڑی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر شخص کو انفرادی طور پر جوابدہی کرنی ہے (وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَرْدًا ۝) اتنی ہی بڑی حقیقت یہ بھی ہے کہ اس دنیا میں انسان منفرد نہیں پیدا کیا گیا بلکہ ایک اجتماعیت کے جزو کی حیثیت رکھتا ہے۔ لہٰذا اجتماعیت اس کی فطرت کا ایک بنیادی تقاضا ہے ــــ خصوصاً اس دور میں جبکہ اجتماعیت اپنی منطقی انتہا کو پہنچ چکی ہے اور باطل پوری طرح منظم اور مجتمع ہے، حق اور اہلِ حق کے لئے اجتماعیت سے گریز کسی طرح بھی مناسب نہیں ــــ بنا بریں ہم اپنے تمام رفقاء اور بزرگوں کی خدمت میں یہ گزارش کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ وہ وقت کے فرض کو پہچانیں اور اس کی آواز پر لبیک کہیں اور اپنی صلاحیتوں اور قوتوں کو مجتمع کر کے حق کے اظہار اور اس کی حمایت کے لئے اٹھ کھڑے ہوں اور اس کے لئے اگر اپنے ذاتی رجحانات اور انفرادی ذوق بلکہ ذاتی

خیالات و نظریات تک میں کسر و انکسار کا کسی قدر اختیار کرنا پڑے تو اس سے بھی دریغ نہ کریں ــــ! اللہ تعالیٰ اس پر انہیں یقیناً اجر دے گا۔ ویسے ہم علیٰ وجہ البصیرت یہ جانتے ہیں کہ اس کی ضرورت بھی محض ابتدا ہی میں ہو گی ــــ اور جیسا کہ عرض کیا گیا، روابط کے از سرِ نو استوار ہوتے ہی اختلاف کا سارا افسوں ٹوٹ کر رہ جائے گا! ــــ

اس موقع پر بالکل ذاتی حیثیت میں ایک گزارش راقم الحروف جماعتِ اسلامی کے بزرگوں خصوصاً مولانا مودودی کی خدمت میں کرنا چاہتا ہے ــــ گذشتہ ڈیڑھ دو سال کے دوران راقم الحروف کے بعض اقدامات اور اس کی بعض تحریروں سے یقیناً آپ کو شدید تکلیف پہنچی ہو گی۔ لیکن خدا شاہد ہے کہ دل کے کسی بعید ترین گوشے میں بھی ان میں سے کسی اقدام یا تحریر سے آپ کی دل آزاری ہرگز مقصود نہ تھی۔ راقم الحروف کے دل میں اقامتِ دینِ حق اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کا جذبہ آپ ہی کی تحریروں سے پیدا ہوا ــــ اسی جذبے سے سرشار ہو کر طالب علمی کے قیمتی اوقات اور عمرِ عزیز کے بہترین لمحات آپ کے بتائے ہوئے طریقے پر تجدید کی نذر کئے ــــ پھر جب محسوس ہوا کہ آپ غلط رخ پر چل نکلے ہیں تو ایک بیان کی صورت میں اپنے خیالات کو قلمبند کیا اور آپ سے درخواست کی کہ: "اپنی تو کوئی ایسی خدمت نہیں ہے جس کا واسطہ دے سکوں۔ آپ ہی کی شفقتیں اور عنایتیں ہیں جن کا واسطہ دے کر آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ میرے اس بیان کو پڑھ ضرور لیں" ــــ ماچھی گوٹھ کے بھرے اجتماع میں سٹیج پر اعلان کیا کہ: "اگرچہ مجھے اپنے موقف کی صحت کا یقین ہے اور امیرِ جماعت کی طویل تقریر میں مجھے کوئی روشنی نظر نہیں آئی ــــ تاہم میں جماعت میں شامل رہوں گا اس لئے کہ اس کے بغیر میں اپنے وجود کا تصور بھی نہیں کر سکتا ــــ!" لیکن پھر جب کچھ آپ کی عنایتوں میں مزید اضافہ ہوا اور آپ نے اہلِ اختلاف پر 'ضعفِ ارادہ بسیط' اور 'ضعفِ ارادہ مرکب' کی پھبتیاں چست کرنی شروع کیں اور کچھ یہ محسوس ہوا کہ جماعت میں ایک عضوِ معطل کی حیثیت سے رہنا آخر چہ سود؟ ــــ تو یہ کہتے ہوئے ایک بھاری دل کے ساتھ جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی کہ: "میں جانتا ہوں کہ جماعت کے بہت سے بزرگ مجھ سے بزرگانہ شفقت کا اور کتنے ہی ارکان و متفق مجھ سے حقیقی محبت کا تعلق رکھتے ہیں۔ جب میں سوچتا ہوں کہ آج اپنے اس اقدام سے میں نہ معلوم کتنوں کے جذبات کو مجروح کروں گا تو اپنے ہی آپ میں ایک ندامت کا احساس بھی ہوتا ہے ــــ لیکن اس سب کے باوجود اس اقدام پر مجبوراً اس لئے آمادہ ہو گیا ہوں کہ اب اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نظر نہیں آتا ــــ!" ــــ علیحدہ ہونے کے بعد بھی کم و بیش پانچ سال تک شدید اختلاف کے باوجود آپ کے ساتھ وہی قلبی تعلق قائم رہا جو ایک احسان مند کا اپنے محسن سے ہوتا ہے چنانچہ ۱۹۶۲ء میں حج کے لئے روانہ ہونے سے قبل آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی اس قلبی کیفیت کا اظہار بھی کیا تھا ــــ افسوس کہ اس کے فوراً بعد آپ کے دو اقدامات یعنی ایک غلافِ کعبہ کے سوانگ اور دوسرے سہروردی مرحوم سے ربط و تعلق کی بدولت دل کی یہ کیفیت برقرار نہ رہ سکی۔ اور ذہنی دوری کے ساتھ ساتھ ایک ایسا قلبی بُعد بھی قائم

ہو گیا جس میں رنج کے ساتھ غصے کی بھی آمیزش تھی۔ اب 'خلافت و ملوکیت' لکھ کر عمر کے آخری حصے میں جو کمائی آپ نے کی ہے اس کی وجہ سے غصے کی جگہ حسرت نے لے لی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اب آپ کے بارے میں سوچتے ہوئے دل کانپنے لگتا ہے اور دل کی گہرائیوں سے یہ دعا نکلنے لگتی ہے کہ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ! بایں ہمہ! اب جبکہ ہم، آپ کے کچھ قدیم ساتھی، رفیق اور نیازمند دین کی چھوٹی بڑی خدمت کے ارادے سے جمع ہو رہے ہیں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اپنے خیال کے مطابق ہم آپ ہی کے ترک کردہ مشن کی تکمیل کے لئے اُٹھ رہے ہیں۔ اس شیرازہ بندی سے مقصود ہرگز آپ کی مخالفت نہیں ہے۔ اگرچہ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کہ "اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ" کی رُو سے آپ کی جن باتوں کو ہم غلط سمجھتے ہیں اُن پر لا محالہ ہمیں تنقید کرنی ہو گی۔ تاہم اس سے مقصود سوائے اصلاح کے اور کچھ نہ ہو گا۔ ——— آپ کی ذات سے ہمیں نہ عناد ہے نہ بغض، بلکہ ہم پروردگار سے آپ کی ہدایت اور مغفرت کی دعا ہی کرتے رہیں گے کہ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝

میثاق کے اگست کے شمارے میں مخدومی پروفیسر یوسف سلیم چشتی کا جو مضمون 'اسلامی تصوف' کے موضوع پر شائع ہوا ہے، ہمارا خیال تھا کہ ہمارے جن دوستوں یا بزرگوں کو 'تصوف کی حقیقت' کی اشاعت پر اعتراض ہوا تھا اس سے ان کی ناراضگی میں قدرے کمی ہو جائے گی اور بحمد اللہ ان میں سے بعض حضرات نے یہ تسلیم فرما لیا بھی کہ اس میں کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے۔ لیکن بعض حضرات کو اس پر بھی اعتراض ہے۔ چنانچہ ایک کرم فرما تحریر فرماتے ہیں: "..... تصوف کی حقیقت، شائع کرنے کے بعد آپ نے اس مرتبہ 'اسلامی تصوف' شائع کر کے تو حد ہی کر دی۔ اس مضمون میں قرآن وحدیث سے جس طریقہ پر استدلال لے کر تصوف کی غیر اسلامی حرکات کو جائز ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے اس کے متعلق صرف اتنا ہی عرض کر دینا کافی ہے کہ اس قسم کا استدلال پرویزیوں، قادیانیوں، رافضیوں اور بے شمار قدیم وجدید فرقوں نے بھی کیا ہے ......!" ہمارے انہی کرم فرما نے ایک صاحب قلم سے ایک مضمون بھی "تصوف سے اسلام کا واسطہ ہی کیا!" کے عنوان سے لکھوا کر ارسال کیا ہے۔ اس مضمون کے مندرجات اگر چشتی صاحب کے مضامین کے مندرجات سے متعلق ہوتے تو ہم ضرور اس کو شائع کر دیتے لیکن اس میں چونکہ ایسی باتوں کو ہدفِ تنقید بنایا گیا ہے جو ان مضامین میں کہی ہی نہیں گئیں لہٰذا ہم اسے شائع کرنے سے معذور ہیں۔

تصوف کے حامیوں اور مخالفوں کے مابین جو نزاع عرصہ دراز سے چلا آ رہا ہے اس کے ضمن میں

ہمارے نزدیک مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی ایک تازہ کتاب 'ربانیۃ لا رھبانیۃ' اس باب میں 'قولِ فیصل' کی حیثیت رکھتی ہے، لہٰذا زیر نظر شمارے میں اس کا ترجمہ شائع کیا جا رہا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ حضرات معترضین اس کا بغور مطالعہ فرمائیں گے تو انہیں بھی لازماً اس "ہولناک خلا" کا احساس ہو گا جو روحانی اعتبار سے موجودہ مسلم معاشرے میں موجود ہے ———! ہمیں سید صاحب موصوف کی اس رائے سے پورا اتفاق ہے کہ ضرورت صرف اس کی ہے کہ اس خلا کو پُر کرنے کی کوشش کی جائے اور نہ تو اصطلاحات کی بحث اور الفاظ کے نزاع میں الجھ کر وقت ضائع کیا جائے اور نہ ہی اس خلا کو پُر کرنے کے کسی ایک مخصوص طریقے پر اصرار کیا جائے۔

'تدبر قرآن' جلد اوّل کے بارے میں ہم نے گزشتہ شمارے میں یہ وعدہ کیا تھا کہ ستمبر کے آخر تک اس کی طباعت اور جلد بندی کے جملہ مراحل طے ہو جائیں گے۔ افسوس کہ اس مرتبہ پھر ہم تاخیر مزید کے لئے معذرت کرنے پر مجبور ہیں۔ کتاب کی طباعت کا مرحلہ تو مکمل ہو گیا ہے اور بحمد اللہ جس نے بھی طبع شدہ اوراق دیکھے ہیں وہ کتابت وطباعت کی تعریف وتحسین کئے بغیر نہ رہ سکا۔ ابھی فہرست کی طباعت اور پھر جلد بندی کے مراحل باقی ہیں اور اب راقم الحروف کوئی حتمی وعدہ بھی نہیں کرتا مبادا کہ پھر معذرت کرنی پڑے۔ بہرحال جو کچھ ہمارے اختیار میں ہے ہم اس سے دریغ نہیں کر رہے۔ قارئین دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ ہی مشکلات کو آسان فرمانے والا ہے ——— !

کتاب پر اخراجات تمام گذشتہ اندازوں سے بڑھتے جا رہے ہیں۔ کاغذ انتہائی گراں ہے۔ یہ خدا کا شکر ہے کہ عمدہ دستیاب ہو گیا ورنہ اچھا کاغذ ملتا بھی کم ہی ہے ——— تاہم جو ہدیہ مقرر کیا گیا تھا اس میں کوئی اضافہ نہیں ہو گا ——— ہمیں اچھی طرح اندازہ ہے کہ وہ بھی اس کتاب کے اکثر قدردانوں کی استطاعت کے اعتبار سے بہت زیادہ ہے لیکن ہم نے جن حالات میں اس بھاری بوجھ کو اٹھایا ہے وہ بھی یا ہمیں معلوم ہیں یا اللہ تعالیٰ کو ——— ہم تاجر حضرات سے بھی معذرت خواہ ہیں کہ تاجرانہ کمیشن بیس فی صد سے زائد نہیں دے سکیں گے اور وہ بھی کم از کم پانچ نسخوں پر۔ اور اپنے بہت سے بزرگوں سے بھی پیشگی معذرت چاہتے ہیں کہ کتاب اعزازی طور پر پیش خدمت نہ کی جا سکے گی، ورنہ انہیں بھی 'انفاق' کا ثواب حاصل کرنا ہی ہو گا! ——— ہندوستان کے جو حضرات کتاب حاصل کرنا چاہیں انہیں یہ کوشش بھی کرنی چاہیئے کہ اگر یہاں ان کے ذرائع موجود ہوں تو یہیں نقد ادائیگی کر کے ادارہ کے ساتھ تعاون فرمائیں ——— محصول ڈاک بہر صورت خریداروں کے ذمے ہو گا۔!!

ہم نے میثاق کے جون ۶۷ء کے شمارے میں 'قرآن اکیڈمی' کے قیام کے سلسلے میں اپنی تجویز کا خاکہ تحریر

کیا تھا ——— (انشاء اللہ العزیز ایک ایسا ادارہ ضرور قائم ہوگا) اس اثناء میں دارالعلوم دیوبند سے "اکادمی قرآن عظیم" کے قیام کی اطلاع ملی۔ اور اس کے زیر اہتمام طبع ہونے والی چند کتب برائے تبصرہ موصول ہوئیں تبصرہ کے سلسلے میں اتنی کتابیں پہلے سے موجود ہیں کہ اس میں دیر ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ لہٰذا ہم اس ادارے کے مہتمم صاحب کا خط ہی شائع کر رہے ہیں تاکہ کم از کم اس ادارے اور اس کی مطبوعات کا ایک اجمالی تعارف قارئین میثاق سے ہو جائے،

ویسے اگر برا نہ منایا جائے تو ہم گذارش کرنا چاہتے ہیں کہ اسلاف کی قیمتی یادگاروں کی از سر نو اشاعت بجائے خود ایک بہت اچھا کام ہے لیکن اس وقت اصل ضرورت اس کی ہے کہ جدید فکر پر قرآن حکیم کی روشنی میں تنقید کی جائے اور قرآن کی حکمت بالغہ کو جدید انداز و اسلوب سے واضح کیا جائے —! یہ کام اگرچہ بہت مشکل ہے لیکن اکادمی قرآن عظیم کے کرنے کا اصل کام بہرحال یہی ہے!

جماعت اسلامی

- کن مقاصد کے تحت قائم ہوئی تھی؟
- آزادی سے قبل اس کے نظریات کیا تھے؟
- قیام پاکستان کے بعد اس نے کیا طرز عمل اختیار کیا؟ اور
- اس کے کیا نتائج برآمد ہوئے؟

جماعت کے ماضی و حال کا ایک تاریخی تجزیہ جماعت کے سابق کارکن کے قلم سے

تحریک جماعت اسلامی

ایک تحقیقی مطالعہ

تالیف

ڈاکٹر اسرار احمد ایم اے ایم بی بی ایس

سابق ناظم اعلیٰ اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان و امیر جماعت اسلامی منٹگمری

● ضخامت ۔۔ ۲۳۰ صفحات ● سائز بڑا ● طباعت آفسٹ ● مجلد مع گرد پوش
● قیمت ۔۔ ۴ روپے علاوہ محصول ڈاک

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

اجتماع

رحیم یار خان

عَنْ أَبِيْ رُقَيَّةَ تَمِيْمِ بْنِ أَوْسٍ الدَّارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ
أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:
"اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ"
قُلْنَا: "لِمَنْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟" ——— قَالَ
"لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهٖ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ"
(رواہ مسلم)

۶ تا ۹ ستمبر ۶۷ء

لہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دین تو بس وفاداری اور خیر خواہی کا نام ہے"! صحابہؓ نے پوچھا: "حضورؐ! کس کی؟" آپؐ نے فرمایا "اللہ کی، اس کی کتاب کی، اس کے رسولؐ کی اور مسلمانوں کے رہنماؤں اور عوام سب کی!"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قراردادؔ

آج ہم اللہ کا نام لے کر ایک ایسی اسلامی تنظیم کے قیام کا فیصلہ کرتے ہیں جو دین کی جانب سے عائد کردہ جملہ انفرادی و اجتماعی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے میں ہماری ممد و معاون ہو۔

ہمارے نزدیک دین کا اصل مخاطب فرد ہے۔ اسی کی اخلاقی و روحانی تکمیل اور فلاح و نجات دین کا اصل موضوع ہے اور پیش نظر اجتماعیت اصلاً اسی لئے مطلوب ہے کہ وہ فرد کو اس کے نصب العین یعنی رضائے الٰہی کے حصول میں مدد دے۔

لہٰذا پیش نظر اجتماعیت کی نوعیت ایسی ہونی چاہئے کہ اس میں فرد کی دینی اور اخلاقی تربیت کا کما حقہٗ لحاظ رکھا جائے اور اس امر کا خصوصی اہتمام کیا جائے کہ اس کے تمام شرکاء کے دینی جذبات کو جلا حاصل ہو ان کے علم میں مسلسل اضافہ ہوتا رہے ان کے عقائد کی تصحیح و تطہیر ہو عبادات اور اتباع سنت سے ان کا شغف اور ذوق و شوق بڑھتا چلا جائے عملی زندگی میں حلال و حرام کے بارے میں ان کی حس تیز تر اور ان کا عمل زیادہ سے زیادہ مبنی بر تقویٰ ہوتا چلا جائے اور دین کی دعوت و اشاعت اور اس کی نصرت و اقامت کے لئے ان کا جذبہ ترقی کرتا چلا جائے — ان تمام امور کے لئے ذہنی اور علمی رہنمائی کے ساتھ ساتھ عملی تربیت اور تاثیر صحبت کے اہتمام کی جانب خصوصی اہتمام ناگزیر ہے۔

دعوت کے ضمن میں ہمارے نزدیک "الدین النصیحۃ" کی روح اور "الاقرب فالاقرب" کی تدریج ضروری ہے لہٰذا دعوت و اصلاح کے عمل کو فرد سے اولاً کنبہ اور خاندان اور پھر تدریجاً ماحول کی جانب بڑھنا چاہئے۔ اس

ضمن میں نئی نسل کی دینی تعلیم و تربیت کا خصوصی اہتمام ناگزیر ہے۔

عامۃ الناس کو دین کی دعوت و تبلیغ کی جو ذمہ داری اُمّت مسلمہ پر بحیثیت مجموعی عائد ہوتی ہے، اس کے ضمن میں ہمارے نزدیک اہم ترین کام یہ ہے کہ جاہلیت قدیمہ کے باطل عقائد و رسوم اور دور جدید کے گمراہ کن افکار و نظریات کا مدلل ابطال کیا جائے اور حیات انسانی کے مختلف پہلوؤں کے لئے کتاب و سنت کی ہدایت و رہنمائی کو وضاحت کےساتھ پیش کیا جائے۔ تاکہ ان کی اصلی حکمت اور عقلی قدر و قیمت واضح ہو اور وہ شبہات و شکوک رفع ہوں جو اس دور کے لوگوں کے ذہنوں میں موجود ہیں۔

مندرجہ بالا رہنما اصولوں کی روشنی میں عملی جدوجہد کے آغاز اور ایک ہیئت اجتماعی کی باقاعدہ تشکیل کے لئے مندرجہ ذیل اصحاب پر مشتمل ایک مجلس مشاورت کے تقرر کی توثیق کی جاتی ہے۔

۱۔ مولانا امین احسن اصلاحی	۲۔ مولانا عبدالغفار حسن
۳۔ مولانا عبدالحق جامعی	۴۔ شیخ سلطان احمد (معتمد)
۵۔ سردار محمد اجمل خان لغاری	۶۔ ڈاکٹر محمد نذیر مسلم

۷۔ ڈاکٹر اسرار احمد

مذکورہ بالا

مجلس مشاورت کا ایک اہم اجلاس

۲۶-۲۷ اکتوبر ۱۹۶۶ء بروز جمعہ و ہفتہ سکھر منعقد ہوگا۔

ارکان کو ایجنڈا علیحدہ ارسال کیا جائے گا۔

المعلن: شیخ سلطان احمد معتمد مجلس مشاورت

توضیحات

قرارداد میں جن امور کی وضاحت کی گئی ہے ان میں اولین اور اہم ترین امر یہ ہے کہ "ہمارے نزدیک دین کا اصل مخاطب فرد ہے۔ اسی کی اخلاقی اور روحانی تکمیل اور فلاح و نجات دین کا اصل موضوع ہے اور پیش نظر اجتماعیت اصلاً اسی لئے مطلوب ہے کہ وہ فرد کو اسکے اصل نصب العین یعنی رضائے الٰہی کے حصول میں مدد دے۔" اس تصریح کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ ماضی میں مسلمانوں کو ان کی یہ ذمہ داری تو بالکل ٹھیک یاد کرائی گئی کہ جس دین کے وہ مدعی ہیں اسے دنیا میں عملاً قائم کرنے کی سعی و جہد بھی ان پر فرض ہے اور یہ کہ دین محض ذاتی عقائد اور کچھ مراسم عبودیت یعنی انسان اور رب کے مابین پرائیویٹ تعلق کا نام نہیں ہے بلکہ وہ انسان کی پوری انفرادی و اجتماعی زندگی کو اپنے احاطے میں لینا چاہتا ہے لیکن ان امور پر اس قدر زور دیا گیا کہ بندے اور رب کے مابین تعلق کی اہمیت اور افراد کی اپنی علمی، اخلاقی اور روحانی ترقی نظر انداز ہوتی چلی گئی، آئندہ جو کام پیش نظر ہے اس کے اصول و مبادی میں یہ نکتہ بہت زیادہ قابل لحاظ رہے گا کہ ایک مسلمان کا اصل نصب العین صرف نجات اخروی اور رضائے الٰہی کا حصول ہے اور اس کے لئے اسے اصل زور اپنی سیرت کے تطہیر و تزکیے اور اپنی شخصیت کی تعمیر و تکمیل پر دینا ہوگا جس سے تعلق مع اللہ اور محبت خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اضافہ ہوتا رہے اور اس میں زیادہ سے زیادہ اخلاص پیدا ہوتا چلا جائے۔ دین کی تائید و نصرت اور شہادت و اقامت یقیناً فرائض دینی میں سے ہیں لیکن ان کے لئے کوئی ایسی اجتماعی جد و جہد ہرگز جائز نہیں ہے جو افراد کو ان کے اصل نصب العین سے غافل کر کے انہیں محض ایک دنیوی انقلاب کے کارکن بنا کے رکھ دے! — چنانچہ پیش نظر اجتماعیت میں اولین زور افراد کی دینی و اخلاقی تربیت پر دیا جائے گا اور اس امر کا خصوصی اہتمام کیا جائے گا کہ "اس کے تمام شرکاء کے دینی جذبات کو جلا حاصل ہو، ان کے علم میں مسلسل اضافہ ہوتا رہے۔ ان کے عقائد کی تصحیح و تطہیر ہو، عبادات اور اتباع سنت سے ان کا شغف اور ذوق و شوق بڑھتا چلا جائے، عملی زندگی میں حلال و حرام کے بارے میں ان کی حس تیز تر اور ان کا عمل زیادہ سے زیادہ مبنی بر تقویٰ ہوتا چلا جائے اور دین کی دعوت و اشاعت اور اس کی نصرت و اقامت کے لئے ان کا جذبہ ترقی کرتا چلا جائے!"

"دینی جذبات کے جلا" کے لئے قرآن مجید کی بلاناغہ تلاوت و تدبر، سیرت نبوی اور سیرت الصحابہؓ کا مطالعہ، مجالس وعظ کا انعقاد، باہمی مذاکرۂ آخرت اور مضامین موعظت پر مشتمل آسان لٹریچر کی اشاعت پر زور دیا جائے گا۔

"علم میں مسلسل اضافے" کے لئے عربی زبان کی تحصیل کی عام ترغیب اور اس کا اہتمام، قرآن حکیم اور حدیث نبویؐ کے باقاعدہ حلقہ ہائے درس کا قیام، اور جاہلیت قدیمہ و جدیدہ پر اسلام کے نقطہ نظر سے تنقیدی کتب کی نشر و اشاعت کا اہتمام کیا جائے گا — مندرجہ بالا دونوں امور سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ جاہلیت قدیم و جدید دونوں کے اثرات قلوب و اذہان سے محو ہوں، عقائد کی تصحیح و تطہیر ہو اور صحیح اسلامی عقائد کی تخم ریزی و آبیاری ہو سکے۔

شرکاء تنظیم کے دینی جذبات کے جلا اور علم میں اضافے کا براہ راست اثر عملی زندگی پر پڑیگا اور ان کی زندگیوں میں دینی تبدیلی عملاً پیدا ہوتی چلی جائے گی۔ لیکن اس میدان میں اس امر کی شدید ضرورت ہوگی کہ اس بات کی کڑی نگرانی کی جائے کہ یہ تبدیلی ہمہ جہتی ہو اور اعمال انسانی کے مختلف گوشوں میں متناسب انداز میں ظہور پذیر ہو۔ چنانچہ عبادات میں ذوق و شوق معاملات میں احتیاط و تقویٰ اور دعوتی و تنظیمی سرگرمیوں میں شغف اور دلچسپی متناسب انداز میں بڑھے۔ یہ صورتحال کہ جلسوں کے انعقاد کے ضمن تو پابندی بھی ملحوظ رہے اور جوش و خروش کا بھی مظاہرہ کیا جائے لیکن نماز باجماعت کی پابندی گراں محسوس ہو اور نوافل سرے سے خارج از بحث ہو جائیں۔ دین کی نصرت و حمایت کا جذبہ ترقی کرتا چلا جائے لیکن تزکیہ باطن کی طرف کوئی توجہ نہ دی جائے، یا سنت نبویؐ کی حجیت و اہمیت پہ دلائل تو ازبر ہوں لیکن خود اپنی زندگی میں اتباع نبویؐ کی جھلک نظر نہ آئے، نہ صرف یہ کہ افراد کے حق میں سم قاتل ہے بلکہ خود اجتماعیت کے لئے بھی سخت مضر اور مہلک ہے — لہٰذا اس امر کی کڑی نگرانی ضروری ہوگی کہ شرکاء میں عبادات سے شغف، اتباع سنت کا جذبہ، معاملات میں حلال و حرام کی حدود و قیود کی پابندی اور دعوتی تنظیمی سرگرمیوں سے دلچسپی توافق و تناسب کے ساتھ بڑھیں — خصوصاً یہ احتیاط تو انتہائی لازمی ہوگی کہ پیش نظر اجتماعیت کے تنظیمی ڈھانچے میں جو لوگ آگے آئیں وہ تیزی و مستعدی اور نفاست و باقاعدگی سے کام کرنے کی صلاحیت کے اعتبار سے چاہے کسی قدر تہی دست ہوں عبادات اور اتباع سنت کے ذوق و شوق سے ہرگز تہی دامن نہ ہوں — شرکاء جماعت میں مندرجہ بالا تبدیلیاں — یا بالفاظ دیگر ان کے نفوس کا تزکیہ اور ان کی شخصیت کی دینی تعمیر کے لئے جہاں ذہنی و علمی رہنمائی اور فکری

تربیت لازمی و لابدی ہیں وہاں عملی تربیت اور تاثیر صحبت کا موثر اہتمام بھی ضروری و ناگزیر ہے۔ اس غرض کے لئے مختلف مقامات پر تربیت گاہوں کا سلسلہ بھی شروع کیا جا سکتا ہے۔ اور ایک ایسی مرکزی تربیت گاہ کا قیام بھی عمل میں لایا جا سکتا ہے جس میں مختلف مقامات کے رفقاء گروپس کی صورت میں شریک ہوں اور ایک مقررہ میعاد میں انہیں قرآن و حدیث کے منتخب حصص کا درس بھی دیا جائے اور ایک ایسی دینی فضا بھی مہیا کی جائے جس میں ان کے دینی جذبات بھی ازسرِ نو تروتازہ ہوں اور ایک خالص اسلامی زندگی بسر کرنے کا عملی تجربہ بھی حاصل ہو جائے۔

قرارداد کے بنیادی نکات میں سے دوسرا اہم اور بنیادی نکتہ یہ ہے کہ "دعوت کے ضمن میں ہمارے نزدیک الدین النصیحۃ کی روح اور الاقرب فالاقرب کی تدریج ضروری ہے"۔ پیش نظر اجتماعیت لازماً یہ چاہے گی کہ اس کا ہر شریک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں داعی الی اللہ اور اپنے ماحول میں حسب مقدور و صلاحیت و بقدر ہمت و استطاعت ہدایت کا ایک روشن چراغ بن کر رہے اور اس کی شخصیت پر بحیثیت مجموعی داعیانہ رنگ غالب ہو جائے۔

اس دعوت کا اصل محرک ابنائے نوع کی ہمدردی اور نصح و خیر خواہی کا جذبہ ہونا چاہئے اور اس میں نہ تو اپنی شخصیت کی نمود کا کوئی شائبہ شامل ہو نہ طلب جاہ کا۔ حتیٰ کہ اللہ، رسولؐ اور شریعت کی وفاداری کے جذبے کے تحت اگر کبھی کسی فرد یا گروہ یا ادارے پر تنقید کی نوبت آ جائے تو اس میں بھی ہمدردی اور دلسوزی غالب رہے اور ذاتی رنجش یا انتقام نفس کا کوئی شائبہ نہ پیدا ہونے پائے۔

اس سلسلے میں یہ وضاحت بہت ضروری ہے کہ ـــ ہمارے معاشرے کا مجموعی مزاج اگرچہ دین سے بہت دور جا چکا ہے اور اس اعتبار سے انتہائی اصلاح طلب ہے۔ لیکن دعوت و اصلاح کے عمل میں دو حقائق کا لحاظ ضروری ہے۔ ایک یہ کہ یہ معاشرہ ایک مجموعی اکائی ہے اور اس کے تمام طبقات میں انحطاط سرایت کر چکا ہے اس اعتبار سے اس کے مختلف طبقات میں کیفیت کا تفاوت بہت فرق چاہے موجود ہو کوئی بنیادی امتیاز موجود نہیں ہے۔ اور دوسرے یہ کہ انحطاط براہِ راست نتیجہ ہے جذبات ایمانی کے ضعف اور کتاب و سنت کے علم کی کمی کا۔ اس میں دین دشمنی کا عنصر چند ایسی استثنائی صورتوں کے

سوا موجود نہیں ہے جو اگرچہ بجائے خود تو بہت خطرناک ہیں اور ان سے خبردار رہنے کی ضرورت ہے تاہم مجموعی اعتبار سے ہمارے معاشرے کے عام بگاڑ کا اصل سبب دین دشمنی نہیں بلکہ دین سے لاعلمی ہے! حکومت اس معاشرے کا جامع عکس اور ارباب اقتدار اس کا اہم جزو ہیں۔ ان کو اپنی اہمیت اور معاشرے میں اثر و نفوذ کی قوت و صلاحیت کے اعتبار سے دعوت کے تخاطب میں اولیت تو دی جا سکتی ہے اور دی جانی چاہئے لیکن انہیں دین کا دشمن قرار دے کر ان کے خلاف نفرت و عداوت کے جذبات پیدا کرنے کے لئے عوام کے دینی جذبے کو مشتعل کرنا درآں حالیکہ خود عوام کی ایک عظیم اکثریت کا حال دین سے بے خبری اور عملی بعد کے اعتبار سے خود کم و بیش وہی ہے جو اصحاب قوت و اختیار کا ـــ نہ ان کی خیر خواہی ہے نہ خود دین کی! اقتدار کے حصول کی خاطر برسر اقتدار طبقے کے مخالف و معاند کی حیثیت اختیار کرنا تو یہ ہمارے نزدیک دینی نقطہ نگاہ سے نہایت مضر ہی نہیں سخت مہلک ہے جس سے کلی اجتناب لازمی و لابدی ہے۔ ہمارے نزدیک ائمۃ المسلمین اور عامتہم ـــ دونوں ہی نصح و خیر خواہی کے برابر مستحق اور دعوت و اصلاح کے یکساں محتاج ہیں! یہاں یہ تصریح بھی ضروری ہے کہ ہماری دانست میں انتخابات کے ذریعے عمومی اصلاح کا نظریہ نری خام خیالی پر مبنی ہے۔ بحالات موجودہ تو اس امر کا سرے سے کوئی امکان ہی نہیں ہے کہ انتخابات کے ذریعے اصلاح کی امید کی جائے۔ ویسے بھی ہماری رائے میں انتخابات میں دوسری جماعتوں کے مخالف و مقابل کی حیثیت سے شرکت دعوت و اصلاح کے صحیح منہج کے منافی ہے اور اس سے قبول حق کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔

داعی کے قلب میں اپنے ابنائے نوع کے لئے جس ہمدردی اور نصح و خیر خواہی کا ہونا لازمی ہے، اسی کا ایک اہم مظہر رافت و رحمت اور شفقت و رقت کا وہ جذبہ ہے جو ابنائے نوع کو تکلیف اور مصیبت میں دیکھ کر اس کے دل میں پیدا ہوتا ہے اور عملی زندگی میں خدمت خلق اور ایثار و انفاق کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ دعوت دین اور خدمت خلق کا ایسا چولی دامن کا ساتھ ہے کہ ایک کو دوسرے سے علیحدہ کرنا ممکن نہیں۔ بلکہ بلاخوف و تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ دین کا وہ داعی جو خادم خلق نہ ہو اپنی دعوت میں دولت اخلاص سے محروم ہے۔ اس ضمن میں یہ فرق البتہ ضرور پیش نظر رہنا چاہئے کہ خدمت

خلق کی اجتماعی سکیموں کو زیر عمل لانا بالکل دوسری بات ہے اور افراد میں خدمت خلق کے جذبے کا پیدا ہونا اور بڑھنا بالکل دوسری چیز ہے۔ خدمت خلق کی اجتماعی سکیموں کی اہمیت اپنی جگہ کتنی ہی مسلم ہو، دعوت دین کے نقطہ نظر سے اصل مطلوب افراد کے قلوب میں شفقت و رحمت کے جذبے اور عمل میں ایثار و انفاق کی کیفیت کا ظہور ہے۔ پیش نظر اجتماعیت میں اصل زور ان شاء اللہ اسی پر دیا جائے گا!

دعوت کے ضمن میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ اس کا مخاطب لازماً ایک تدریج کے ساتھ داعی کے اپنے نفس سے شروع ہو کر (علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم) اپنے اہل و عیال (قوا انفسکم واھلیکم نارا) اور کنبے قبیلے (وانذر عشیرتک الاقربین) سے ہوتے ہوئے اپنی قوم (یقوم اعبدوا اللہ) اور پھر پوری انسانیت (لتکونوا شہداء علی الناس) تک پہنچنا چاہئے۔ ہمارے نزدیک یہ صورت کہ داعی اپنے آپ کو بھول جائے اور بر و تقویٰ کی ساری دعوت دوسروں کو دیتا رہے (اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم) یا اپنے خاندان اور کنبے قبیلے کو تو بھول جائے اور دور دراز کے لوگوں میں ہدایت کی سوغات بانٹنے کے لئے اٹھ کھڑا ہو، نہایت خطرناک مرض کی علامت ہے۔ دعوت کے عمل کا صحیح نہج یہ ہے کہ الاقرب فالاقرب کے اصول پر آگے بڑھے اور جس سے جتنی قربت اور محبت داعی کو ہو دعوت و تخاطب میں اسی قدر اسے مقدم رکھا جائے۔ اس سلسلے میں یہ خیال البتہ صحیح نہ ہوگا کہ ایک مرحلے کی تکمیل کے بعد ہی دوسرا مرحلہ شروع کیا جائے مطلوب صرف یہ ہے کہ دعوت کے عمل کو ایک فطری تدریج اور حسین تناسب کے ساتھ اپنی ذات، اہل و عیال، کنبے قبیلے اور پھر عوام الناس تک بڑھنا چاہئے۔

اس سلسلے میں ہمیں اپنی اولاد اور فی الجملہ نئی نسل کے بارے میں خصوصی توجہ و اہتمام سے کام لینا ہوگا اس لئے کہ ان کے بارے میں ہم حدیث نبویؐ کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ... الخ کی رو سے براہ راست مسئول اور ذمہ دار ہیں اولاد کی دینی تعلیم و تربیت کا یہ اہتمام خانگی و انفرادی بھی ہوگا اور جہاں جہاں ممکن ہوگا اور وسائل دستیاب ہو سکیں گے اس امر کی سعی بھی کی جائے گی کہ ایسے مدارس اپنے اہتمام میں قائم کئے جائیں جن میں نئی نسل کے قلوب و اذہان میں ایمان کی تخم ریزی و آبیاری اور اخلاقی و عملی تربیت کا بندوبست کیا جائے اس سلسلے میں متعدد رفقاء نے پہلے سے جو کوششیں اپنی انفرادی حیثیت میں

شروع کر رکھی ہیں، کوشش کی جائے گی کہ ان کو ایک باقاعدہ نظم کے تحت لا کر ان کی افادیت میں حتی الامکان اضافہ کیا جائے اور ان کے تجربات سے دوسرے مقامات پر مدارس کے قیام و اہتمام میں فائدہ اٹھایا جائے۔

وسائل دعوت کے ضمن میں کوئی تعیین غیر ضروری ہے حسب صلاحیت و استعداد انفرادی و نجی گفتگو، خطاب ہائے عام، خطبات جمعہ اور درس قرآن و حدیث کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف اور نشر و اشاعت کے تمام جدید طریقوں کو اختیار کیا جا سکتا ہے!

قرارداد کا تیسرا اہم نکتہ "عامۃ الناس کو دعوت دین کی دعوت و تبلیغ" کی اس ذمہ داری سے بحث کرتا ہے جو امت مسلمہ پر بحیثیت مجموعی عائد ہوتی ہے۔" ہمارے نزدیک انذار و تبشیر، دعوت و تبلیغ اور شہادت حق علی الناس کی جو ذمہ داریاں انبیاء کرام علیہم السلام پر عائد ہوا کرتی تھیں وہ اب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت و رسالت کے ختم ہو جانے کے بعد آپ کی امت پر بحیثیت مجموعی عاید ہوتی ہیں۔ اول اول اس امت نے خلافت علی منہاج النبوۃ کے نظام کے تحت اپنی اس ذمہ داری کو اجتماعی حیثیت سے ادا کیا۔ خلافت علی منہاج النبوۃ کے خاتمے کے بعد بھی ایک عرصے تک مسلمان حکومتیں اس فرض منصبی کو ادا کرتی رہیں۔ اس کے بعد ایک طویل عرصے تک اتقیا و صلحا ذاتی طور پر دور دراز علاقوں میں پہنچ کر دین کی دعوت و تبلیغ کا فریضہ ادا کرتے رہے۔ ادھر عرصے سے یہ سلسلہ بھی تقریباً ختم ہو چکا ہے اور امت مسلمہ بحیثیت مجموعی "کتمان حق" کے جرم کی مرتکب ہو رہی ہے اور صورت حال یہ ہے کہ امت کی تمام اجتماعی سرگرمیاں صرف اپنے دفاع اور دنیوی ترقی و استحکام تک محدود ہیں۔ کچھ تھوڑا بہت دینی رنگ کسی اجتماعی سرگرمی میں ہے بھی، تو وہ بھی محض امت کی داخلی اصلاح کی حد تک ہے۔ ہمارے نزدیک یہ صورت حال سخت تشویشناک ہے اور اس سے نہ صرف یہ کہ اخروی بازپرس کا اندیشہ ہے، بلکہ ہماری رائے میں ہماری دنیوی نکبت و ذلت کا اصل سبب بھی یہی ہے!

اس ضمن میں ہمارے نزدیک اس وقت کرنے کا اہم ترین کام یہ ہے کہ ایک طرف ادیان باطلہ کے مزعومہ عقاید کا موثر و مدلل ابطال کیا جائے اور دوسری طرف مغربی فلسفہ و فکر اور اس کے لائے ہوئے زندقہ و الحاد اور مادہ پرستی کے سیلاب کا رخ موڑنے کی کوشش کی جائے اور حکمت قرآنی کی روشنی میں ایک ایسی زبردست جوابی

سی تحریک برپا کی جائے جو توحید، معاد اور رسالت کے بنیادی حقائق کی حقانیت کو بھی مبرہن کر دے اور انسانی زندگی کے لئے دین کی رہنمائی و ہدایت کو بھی مدلل و مفصل واضح کر دے۔ ہمارے نزدیک اسلام کے حلقے میں نئی اقوام کا داخلہ اور جسد دین میں نئے خون کی پیدائش ہی نہیں خود اسلام کے موجود الوقت حلقہ بگوشوں میں حرارت ایمانی کی تازگی اور دین و شریعت کی عملی پابندی اسی کام کے ایک موثر حد تک تکمیل پذیر ہونے پر موقوف ہے، اس لئے کہ دورِ جدید کے گمراہ کن افکار و نظریات کے سیلاب میں محود مسلمانوں کے ذہین اور تعلیم یافتہ طبقے کی ایک بڑی تعداد اس طرح بہہ نکلی ہے کہ ان کا ایمان بالکل بے جان اور دین سے ان کا تعلق محض برائے نام رہ گیا ہے اور اسی بنا پر دین میں نت نئے فتنے اٹھ رہے ہیں اور ضلالت و گمراہی نت نئی صورتوں میں ظہور پذیر ہو رہی ہے۔

اس سلسلے میں انفرادی کوششیں تو اب بھی جیسی کچھ بھی عملاً ممکن ہیں جاری ہیں اور آئندہ بھی جاری رہیں گی۔ ضرورت اس کی داعی ہے کہ جیسے بھی ممکن ہو وسائل فراہم کئے جائیں اور ایک ایسے باقاعدہ ادارے کا قیام عمل میں لایا جائے جو حکمت قرآنی اور علم دینی کی نشر و اشاعت کا کام بھی کرے ۔۔۔ اور ایسے نوجوانوں کی تعلیم و تربیت کا بھی مناسب اور موثر بند و بست کرے جو عربی زبان، قرآن حکیم اور شریعت اسلامی کا گہرا علم حاصل کر کے اسلامی اعتقادات کی حقانیت کو بھی ثابت کریں اور انسانی زندگی کے مختلف شعبوں کے لئے جو ہدایات اسلام نے دی ہیں انہیں بھی ایسے انداز میں پیش کریں جو موجودہ اذہان کو اپیل کر سکے۔

آخر میں اس امر کی وضاحت بہت ضروری ہے کہ پیش نظر تنظیم ہرگز 'الجماعت' کے حکم میں نہ ہوگی ۔۔ الجماعۃ کا مقام ہماری دانست میں امت مسلمہ کو بحیثیت مجموعی حاصل ہے۔ پیش نظر اجتماعیت کی حیثیت مسلمانوں کی ایک ایسی تنظیم کی ہوگی جس میں وہ لوگ شریک ہوں گے جو خود اصلاح نفس اور تعمیر سیرت کے خواہش مند ہوں اور ان جملہ انفرادی و اجتماعی ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونا چاہیں جو دین کی جانب سے ان پر عائد ہوتی ہیں تاکہ ایک طرف ان کا باہمی تعاون ایک دوسرے کے لئے سہارا بن سکے اور دوسری طرف اصلاح معاشرہ کے لئے ایک موثر قوت فراہم ہو جائے ۔۔۔ دین کی خدمت ایک نہایت وسیع و عظیم کام ہے۔

(باقی صفحہ ۴۲ پر)

تقریر مولانا امین احسن اصلاحی

خطبہ مسنونہ کے بعد

بھائیو اور دوستو!

ایک طویل مدت کے بعد ہم خیال و ہم مقصد دوستوں کی صحبت جو میسر آئی ہے تو معلوم نہیں دل کے کتنے گوشے ہیں جن کے دریچے کھل گئے ہیں اور کتنے سوئے ہوئے خیالات ہیں جو جاگ پڑے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان ساری باتوں کو ایک صحبت میں کہہ ڈالنا ممکن نہیں ہے۔ یہ تو جب بھی کہی جائیں گی مختلف قسطوں اور مختلف مجلسوں ہی میں کہی جائیں گی۔ اس وقت تو صورت حال یہ ہے کہ سرا نہیں مل رہا ہے کہ بات کہاں سے شروع کی جائے، کیا بات کہی جائے کیا نہ کہی جائے اور شروع کر کے بات کہاں ختم کی جائے۔ اس الجھن کی وجہ سے آپ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اپنی گفتگو صرف اس قرار داد کی وضاحت تک محدود رکھوں جو اپنے پورے مالہٗ اور ماعلیہ کے ساتھ آپ کے سامنے آ چکی ہے۔

اس قرارداد کی وضاحت کرنے میں اس وجہ سے نہیں اٹھا ہوں کہ اس میں کوئی ابہام و اجمال ہے، یہ اپنے مقصد و مفہوم میں بالکل واضح ہے۔ جس طرح میں نے اس کو سمجھا ہے اسی طرح آپ نے بھی اس کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے۔ میری اس وضاحت کا مقصد صرف یہ ہے کہ اس میں جو نصب العین اور جو طریقہ کار اپنانے کا ارادہ ظاہر کیا گیا ہے اس کے بعض دلائل آپ کے سامنے عرض کروں تاکہ اس کی پوری اہمیت آپ کے سامنے آ جائے۔

ہم نے اس قرارداد میں اللہ کا نام لے کر ایک ایسی تنظیم کے قیام کا فیصلہ کیا ہے "جو دین کی جانب سے عاید کردہ جملہ انفرادی و اجتماعی ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے میں ہماری مدد کرے۔" قرارداد کا یہ جملہ دو اہم حقیقتوں کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ ایک اس حقیقت کی طرف کہ آپ تنظیم کو بجائے خود غایت و مقصد نہیں سمجھتے بلکہ اس کو صرف دین کی عاید کردہ انفرادی و اجتماعی ذمہ داریوں کے ادا کرنے میں اپنے لئے ممد و

معاون سمجھتے ہیں۔ دوسری اس بات کی طرف کہ آپ، اپنا نصب العین دین کو سمجھتے ہیں اور اس دین کو اپنی انفرادی و اجتماعی دونوں زندگیوں پر حاوی مانتے ہیں۔

جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے وہ درحقیقت ایک بہت بڑے خطرے سے آگاہی ہے۔ وہ خطرہ یہ ہے کہ جماعتیں اور تنظیمیں قائم تو ہوتی ہیں اصلاً کسی اعلیٰ اور برتر نصب العین کے لئے، لیکن قائم ہو جانے کے بعد آہستہ آہستہ وہ خود نصب العین اور مقصد بن جاتی ہیں اور اصل نصب العین غائب ہو جاتا ہے۔ آپ کو اس خطرے سے ہر قدم پر ہوشیار رہنا ہے۔ اس چیز نے نہ صرف جماعتوں اور تنظیموں کو تباہ کیا ہے بلکہ ملتوں اور امتوں کو بھی بالکل برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ اس تغیر کا نتیجہ صرف یہی نہیں ہوتا کہ اصل مقصد غائب ہو جاتا ہے بلکہ مقصد وسیلہ اور ذریعہ کا ایک ادنیٰ خادم اور چاکر بن کے رہ جاتا ہے۔ پھر تنظیم مقصد کی خدمت نہیں کرتی بلکہ مقصد کو اپنی خدمت اور اپنے مفادات کے لئے استعمال کرتی ہے۔ مذہب کے نام پر قائم ہونے والی جماعتوں کے لئے یہ چیز خاص طور پر خطرناک ہے اس لئے کہ جب اس طرح کی کوئی جماعت خود اپنے وجود اور اس کے قیام و بقا کو مقصود بنا لیتی ہے تو وہ مذہب کی بھی جن چیزوں کو اپنے اس مقصد کی راہ میں مزاحم پاتی ہے ان کو بدل کر اپنے جماعتی اغراض کے سانچے میں ڈھال لیتی ہے۔ مذاہب کی تاریخ شہادت دیتی ہے کہ اس چیز نے بے شمار تحریفات کی راہیں کھولی ہیں اور اس سے بڑے بڑے فتنے ظہور میں آئے ہیں۔ اس خطرے کے پیش نظر اس قرارداد میں اس امر کو خاص طور پر پیش نظر رکھا گیا ہے کہ تنظیم بجائے خود غایت و مقصد نہ بننے پائے بلکہ وہ اصل مقصد کے وسیلہ و ذریعہ کی حد تک محدود رہے۔ قرارداد کے اس پہلو پر بہت سی باتیں کہنی ہیں جو آگے کے مراحل میں بالتدریج آپ کے سامنے آئیں گی۔ اس کے لئے لازماً اس کے تنظیمی ڈھانچہ میں ایسی حد بندیاں کرنی پڑیں گی جو اس کو بے راہ روی اور گمراہی سے محفوظ رکھیں۔

جہاں تک دوسری چیز یعنی دین ہی کو نصب العین بنانے کا تعلق ہے یہ کم از کم ہمارے اور آپ کے لئے محتاج دلیل نہیں۔ ہم خدا کے فضل سے مسلمان ہیں اور ہمارا یہ پختہ عقیدہ ہے کہ انسانیت کی اصلی ترقی و فلاح مذہب کے ساتھ وابستہ ہے۔ مذہب کے بغیر انسان بس ایک ترقی یافتہ حیوان ہے جیسا کہ نظریہ ارتقا کے قائلین کہتے ہیں۔

یا زیادہ سے زیادہ ایک حیوان ناطق جیسا کہ ارسطو نے انسان کی تعریف کی ہے۔ ہم ان دونوں میں سے کسی تعریف کو بھی انسان کی صحیح تعریف نہیں سمجھتے۔ ہمارے نزدیک انسان ایک روح یزدانی کا حامل ہے، جیسا کہ قرآن نے "وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي" کے الفاظ سے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ یہی روح یزدانی ہے جو انسان کا شرف خصوصی ہے اور اسی کی بدولت انسان مسجود ملائک بنا ہے۔ یہی روح ملکوتی اگر انسان کی روح بہیمی پر غالب رہے تو انسان حقیقی انسان ہے ورنہ وہ بس دو ٹانگوں پر چلنے والا ایک جانور ہے۔ اس روح ملکوتی کے روح بہیمی پر غالب رہنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسان کے ارادے کی باگ　　خدا کی شریعت کے ہاتھ میں ہو۔ اگر انسان کا ارادہ شریعت کے ہاتھ میں نہ ہو اور اس کی عقل خدا کی وحی سے رہنمائی حاصل نہ کرے تو جیسا کہ میں نے عرض کیا یہ کپڑوں میں ملبوس ایک جانور ہے۔ یہ جانور گدھا بھی ہو سکتا ہے، کتا بھی ہو سکتا ہے اور بندر اور خنزیر اور ایک خوفناک درندہ بھی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ قرآن نے شریعت سے بے قید انسانوں کو مذکورہ تمام جانوروں سے تشبیہ دی ہے۔ یہ تشبیہ محض برائے تشبیہ نہیں ہے بلکہ اظہار حقیقت ہے۔ اگر ہمارے پاس حقیقت کو دیکھ لینے والی آنکھیں ہوتیں تو ہم اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھ لیتے کہ ہمارے متمدن شہروں میں کپڑوں میں ملبوس کتنے چوپائے اور درندے انسانوں کے بھیس میں پھر رہے ہیں اور اس صفحہ ارضی پر قوموں کی قومیں ہیں جو متمدن کہلانے کے باوجود اپنی سرشت کے اعتبار سے درندوں سے زیادہ سفاک اور خونخوار بن گئی ہیں۔

ہمارے لئے شریعت کے انتخاب کا معاملہ بھی کوئی پیچیدہ معاملہ نہیں ہے۔ ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اسلام تمام دنیا کا مشترک دین ہے اور قرآن خدا کی آخری اور کامل کتاب اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے آخری رسول ہیں۔ اس وجہ سے یہ عین ہمارے عقیدے کا تقاضا ہے کہ ہم اپنی زندگی اسلام کے احکام و ہدایات کے تحت گذاریں اور اسی کی دعوت دوسروں کو بھی دیں۔

یہ دوسروں کو دعوت دینا بھی عین ہماری فطرت بشری کا اقتضا اور ہماری اپنی اصلاح و ترقی کا لازمہ ہے۔ آپ اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہو سکتے کہ انسان تنہا

نہیں پایا جاتا۔ وہ ایک مدنی الطبع ہستی ہے۔ وہ کسی خاندان کے فرد، کسی قبیلہ کے رکن، کسی شہر کے شہری اور کسی ملک کے باشندے کی حیثیت سے پایا جاتا ہے اور اپنی فطری صلاحیتوں کے پروان چڑھنے کے لئے وہ ان سب کا محتاج ہے۔ اسی بنا پر انسان کو SOCIAL ANIMAL کہا گیا ہے جس طرح مچھلی پانی سے مستغنی نہیں ہو سکتی اسی طرح انسان معاشرے سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ اگر انسان معاشرہ سے بے تعلق ہو کر اپنی صلاحیتوں کو صحیح طور پر اجاگر کر سکتا تو اسلام رہبانیت کی ممانعت نہ کرتا۔ انسان اپنی فطرت کے لحاظ سے نباتات میں سے CREEPERS سے مشابہ ہے۔ جس طرح انگور کی بیل صحیح طور پر اسی صورت میں پروان چڑھتی ہے جب اس کو کوئی سہارا ملے بغیر اس سہارے کے وہ سکڑ کے رہ جاتی ہے۔ اسی طرح انسان بھی صحیح طور پر اسی صورت میں پروان چڑھتا ہے جب اس کو معاشرے کا سہارا ملے، بغیر اس سہارے کے اس کی صلاحیتیں سکڑ کے رہ جاتی ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ امر بھی ضروری ہے کہ یہ سہارا اس کے روحانی تقاضوں کے موافق ہو۔ جس طرح انگور کی بیل اس سہارے کے اثرات میں سے حصہ لیتی ہے جس پر وہ چڑھتی ہے اسی طرح انسان اس معاشرے کے خیر و شر سے متاثر ہوتا ہے جس میں زندگی گزارتا ہے۔ انگور کی بیل کو نیم پر چڑھا دیجئے تو اس کے پھل کڑوے کسیلے ہو سکتے ہیں اسی طرح انسان اگر برے معاشرے میں زندگی گذارے تو وہ برا بن سکتا ہے۔

انسان کی اس فطرت نے اس کے لئے ایک سخت مشکل پیدا کر دی ہے۔ ایک طرف تو اس کی فطرت کی رو سے یہ واجب ہے کہ وہ معاشرے سے وابستہ رہے، اس سے بے تعلق نہ ہو، دوسری طرف اس پر یہ واجب ہے کہ وہ اپنے لئے سازگار معاشرہ تلاش کرے، اور اگر معاشرہ سازگار نہ ہو تو اپنے روحانی و اخلاقی تقاضوں کے لئے پورے اخلاص کے ساتھ اس کو سازگار بنانے کی جد و جہد کرے۔ اگر کوئی شخص یہ جد و جہد نہ کرے تو اس کی اخلاقی و روحانی موت یقینی ہے۔ اگرچہ کوئی شخص کسی دوسرے کی اصلاح پر اختیار نہیں رکھتا۔ دوسرے کی اصلاح اللہ کی توفیق پر منحصر ہے، لیکن ہر شخص خود اپنی اصلاح کے لئے اس جد و جہد پر اپنے

امکان اور اپنی صلاحیتوں کے حد تک مامور ہے۔

اس وجہ سے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم میں سے جو شخص کوئی برائی دیکھے اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے اس کی اصلاح کرے اگر اس کی قدرت رکھتا ہو، اگر ہاتھ سے اس کی اصلاح کی قدرت نہ رکھتا ہو تو زبان سے اس کی اصلاح کی کوشش کرے اگر اس کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اگر اس کی صلاحیت بھی نہ رکھتا ہو تو ادنیٰ درجۂ ایمان یہ ہے کہ اس کو دل سے برا جانے۔ یعنی اس میں کسی نوعیت سے بھی تعاون نہ کرے۔ اس سے نیچے ایمان کا کوئی درجہ نہیں ہے۔

معاشرہ سے متعلق افراد کی ذمہ داریوں کو واضح کرنے کے لئے حضورؐ نے معاشرہ اور افراد کو ایک کشتی کے مسافر سے تشبیہ دی ہے۔ ایک کشتی میں کچھ لوگ عرشے پر سفر کرتے ہیں اور کچھ لوگ اس کے نیچے کے حصے میں۔ فرض کیجئے نیچے والے یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہمیں پانی لینے کے لئے اوپر جانے کی مشقت اٹھانی پڑتی ہے، کیوں نہ ہم اپنے حصے میں کشتی کے پیندے میں سوراخ کر لیں اور اوپر والے یہ خیال کر کے کہ وہ اپنے حصہ کی کشتی میں سوراخ کر رہے ہیں ان کو اس ارادے سے باز رکھنے کی کوشش نہ کریں، بلکہ سوراخ کرنے کے لئے ان کو آزاد چھوڑ دیں تو سوراخ ہو جانے کے بعد کشتی جو ڈوبے گی تو اوپر والوں اور نیچے والوں سب کو لے کر ڈوبے گی۔ یہی حال معاشرے کا ہے اس میں اچھے بھی ہوتے ہیں، برے بھی ہوتے ہیں۔ اگر اچھے لوگ معاشرہ کے خیر و شر سے بے تعلق ہو جاتے ہیں تو بروں کی برائی سے جو آفت ظہور میں آتی ہے اس میں اچھے اور برے دونوں ہی حصہ پاتے ہیں۔

حدیثوں میں ایک بستی کا ماجرا بھی بیان ہوا ہے جس سے یہ حقیقت مزید واضح ہوتی ہے۔ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بستی کے متعلق فرشتہ کو حکم دیا کہ جا کر اس کو الٹ دو۔ فرشتے نے عرض کی کہ باری تعالیٰ اس میں تو تیرا ایک ایسا بندہ بھی ہے جو برابر تیری عبادت میں لگا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کے سمیت بستی کو الٹ دو۔ اس لئے کہ اس کا چہرہ کبھی میرے دین کی بے حرمتی پر غیرت سے تمتمایا نہیں۔

اس تفصیل سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ ہمارے لئے اپنے معاشرہ کے خیر و شر سے بے تعلق رہنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ نہ ہماری فطرت اس بے تعلقی کی روادار ہے

نہ ہمارا مذہب اس کی اجازت دیتا۔ دوسروں کی اصلاح سے قطع نظر ہم خود اپنی صلاح و فلاح کے لئے اس بات کے محتاج ہیں کہ اپنے معاشرے کو اپنے روحانی و اخلاقی تقاضوں کے لئے سازگار بنانے کی کوشش کریں۔ اس کوشش سے دوسروں کی اصلاح ہو یا نہ ہو لیکن ہماری اصلاح ہو گی، اس سے ہماری اپنی صلاحیتیں پروان چڑھیں گی اور ہماری اپنی فطرت کے مضمرات بروئے کار آئیں گے۔ جو شخص یہ کام کرتا ہے وہ خود اپنا فرض انجام دیتا ہے اور دوسروں سے زیادہ وہ خود اپنے اوپر احسان کرتا ہے۔ اس وجہ سے اگر کوئی شخص یہ فرض انجام دیتا ہے تو اس کے لئے یہ زیبا نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو معاشرہ کا محسن سمجھنے لگے۔ بلکہ وہ یہ سمجھے کہ اس نے اپنا ہی فرض انجام دیا ہے۔ جس طرح ہم نماز پڑھتے ہیں تو کسی پر احسان نہیں کرتے بلکہ خود اپنے اوپر احسان کرتے ہیں۔ اسی طرح اگر ہم معاشرہ کی کسی برائی کی اصلاح کرتے ہیں تو کسی پر احسان نہیں کرتے بلکہ صرف اپنا فرض انجام دیتے ہیں۔ دین میں دوسروں کے نیک و بد سے متعلق ہم پر جو ذمہ داری عاید کی گئی ہے وہ ہمارے ذاتی فرض ہی کی حیثیت سے عاید کی گئی ہے۔

زیر بحث قرارداد میں یہ تصور اچھی طرح واضح کر دیا گیا ہے اور اس کے دو بڑے اہم فائدے ہیں ایک تو یہ ہے کہ کوئی شخص دعوت و اصلاح کا کوئی کام کرتے ہوئے یہ نہیں سمجھے گا کہ وہ کسی دوسرے کا کام کر رہا ہے بلکہ وہ یہی سمجھے گا کہ اپنا ہی کام کر رہا ہے۔ دوسرا یہ کہ کوئی شخص دوسروں کی اصلاح میں اتنا مستغرق نہیں ہو گا کہ وہ خود اپنی اصلاح سے غافل اور بے پروا ہو جائے۔ یاد رکھئے کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ دوسروں کی اصلاح کی کوشش اصلاً خود اپنی ہی اصلاح کی کوشش کا ایک حصہ ہے۔ جو شخص دوسروں کی اصلاح میں رات دن سرگرم ہے لیکن اسے خود اپنی اصلاح کی فکر نہیں ہے وہ محض نمائشی مصلح ہے۔ جو خود بھٹک رہا ہو وہ دوسروں کی رہبری نہیں کر سکتا۔ انگور کی وہ بیل سوکھ جاتی ہے جس کی اپنی جڑ اکھڑی ہوئی ہو اگرچہ اس کو کتنے ہی خوبصورت سہارے پر چڑھا دیجئے۔ اس زمانے میں چونکہ زیادہ تر مدعیان اصلاح ایسے ہی ہیں جنہیں خود اپنے دین و ایمان کا کچھ ہوش نہیں لیکن وہ دوسروں میں دین کی سوغات بانٹنے کے لئے خشکی و تری کا سفر کرتے پھرتے ہیں

اس وجہ سے ضروری ہے کہ اصل نقطہ پر لوگوں کی توجہ مرکوز کرائی جائے چنانچہ قرارداد میں اس حقیقت کو یوں واضح کیا گیا ہے کہ "ہمارے نزدیک دین کا اصل مخاطب فرد ہے، اسی کی اخلاقی و روحانی تکمیل اور فلاح و نجات دین کا اصل موضوع ہے اور پیش نظر اجتماعیت اصلاً اسی لئے مطلوب ہے کہ وہ فرد کو اس کے نصب العین یعنی رضائے الٰہی کے حصول میں مدد دے۔"

اس تصور کا قدرتی مطالبہ یہ ہے کہ اس تنظیم کا ڈھانچہ ایسا بنایا جائے کہ وہ اپنے اعضا و ارکان کی اصلاح و تربیت کا ایک جامع ادارہ بن جائے۔ اس عزم کا اظہار قرارداد میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

"لہٰذا پیش نظر اجتماعیت کی نوعیت ایسی ہونی چاہئے کہ اس میں فرد کی دینی و اخلاقی تربیت کا کما حقہٗ لحاظ رکھا جائے اور اس امر کا خصوصی اہتمام کیا جائے کہ اس کے تمام شرکاء کے دینی جذبات کو جلا حاصل ہو، ان کے علم میں مسلسل اضافہ ہوتا رہے۔ ان کے عقاید کی تصحیح و تطہیر ہو، عبادات اور اتباع سنت سے ان کا ذوق و شوق بڑھتا چلا جائے، عملی زندگی میں حرام و حلال کے بارے میں ان کی حس تیز تر اور ان کا عمل زیادہ سے زیادہ مبنی بر تقویٰ ہوتا چلا جائے اور دین کی دعوت و اشاعت اور اس کی نصرت و اقامت کے لئے ان کا جذبہ ترقی کرتا چلا جائے۔"

ان تمام مقاصد کے حصول کے لئے تنظیم کیا وسائل و ذرائع اختیار کرے گی ؟

اس کا جواب دینا بروقت میرے لئے مشکل ہے۔ اس کا جواب بہت کچھ منحصر ہے اس بات پر کہ اس تنظیم کو کن صلاحیتوں کے افراد حاصل ہوتے ہیں اور وہ اپنی مجموعی کوشش سے کیا اسباب و وسائل فراہم کرنے پر قادر ہوتے ہیں۔ افراد اور وسائل کی وسعت کے ساتھ ساتھ امکانات کا جائزہ لینا اور ان کے مطابق قدم اٹھانا تنظیم کے ارباب حل و عقد کا کام ہے۔ لیکن اتنی بات بدیہی ہے کہ اس مقصد کے بروئے کار لانے میں اس امر کی پوری کوشش کی جائے گی کہ جو قدم بھی اٹھے اسوۂ انبیاء کی روشنی میں اٹھے اور جماعت کی تربیت اس نہج پر ہو جس کی طرف کتاب و سنت میں رہنمائی کی گئی ہے۔

ہم اپنی تربیت کے لئے سب سے پہلے تو صحیح علم کے محتاج ہیں۔ صحیح علم سے میری مراد دین کا علم ہے۔ اس زمانے میں دین کا علم عنقا ہو رہا ہے۔ اس کے حصول کے

وسائل و ذرائع بھی روز بروز کم سے کم تر ہوتے جا رہے ہیں اور لوگوں کے اندر اس کی رغبت بھی بالکل ختم ہوتی جا رہی ہے۔ اگر دین کا علم ہی مٹ گیا تو پھر دین کے باقی رہنے کا کیا امکان ہے؟ یہ امر بھی بدیہی ہے کہ اس زمانے میں دین کا روایتی علم بالکل غیر مفید ہے۔ یہ زمانہ عقلیت کا زمانہ ہے۔ اس زمانے میں لوگ ہر چیز کو دلیل و حجت کو سمجھنا چاہتے ہیں۔ مجرد یہ بات لوگوں کو اپیل نہیں کرتی کہ فلاں بات دین کی بات ہے۔ دین پر آج جو اعتراضات ہو رہے ہیں وہ کل کے اعتراضات سے بالکل مختلف ہیں۔ یہ اعتراضات جدید مغربی فکر و فلسفہ کی پیداوار ہیں اور ان کو نہایت زور و قوت کے ساتھ پھیلانے والے خود ہمارے اندر پیدا ہو گئے ہیں۔ جب تک ان اعتراضات و شبہات کا موثر ازالہ نہ ہو اس وقت تک ممکن نہیں ہے کہ آپ دین کی کوئی مفید خدمت انجام دے سکیں افسوس ہے کہ اس خدمت کی صلاحیت رکھنے والے آج ہمارے اندر اگر مفقود نہیں تو اتنے کم ہیں کہ وہ دین کے محاذ کو کسی طرح بھی سنبھال نہیں سکتے۔ اس وجہ سے وقت کی ایک بہت بڑی ضرورت یہ ہے کہ ایسے حاملان دین پیدا کرنے کی موثر جدوجہد کی جائے جو جدید علوم و افکار سے بھی کماحقہ آگاہ ہوں اور کتاب و سنت کے دلائل و براہین پر بھی وہ براہ راست نظر رکھتے ہوں۔ میں اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ ہمارا دین دنیا میں بے دلیل نہیں آیا ہے۔ وہ بہتر سے بہتر فطری و عقلی دلائل سے مسلح ہو کر آیا ہے جو ہر دور کے فتنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے کافی ہیں بشرطیکہ ان کو اجاگر کرنے والے اور ان کو دنیا کے سامنے حالات کے مطابق پیش کرنے والے موجود ہوں۔ دوستو! یہ کام کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس قسم کے افراد صرف اردو میں لکھی ہوئی چند کتابیں پڑھ لینے سے نہیں پیدا ہوں گے بلکہ اس کے لئے کتاب و سنت اور علوم اسلامیہ سے براہ راست گہری واقفیت ضروری ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اس قسم کی صلاحیت ہم میں سے ہر شخص اپنے اندر نہیں پیدا کر سکتا لیکن معتدبہ تعداد ہمارے اندر جب تک ایسے لوگوں کی نہ ہوگی ہم ان ذمہ داریوں سے کماحقہ عہدہ برآ نہ ہو سکیں گے جو دین سے متعلق اس زمانے میں ہم پر عاید ہوتی ہیں۔

جہاں تک عامۃ المسلمین کو دین کی دعوت دینے کا تعلق ہے اس کے بارے میں مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ اس زمانے میں مجرد تذکیر کافی نہیں ہے بلکہ وسیع

پیمانے پر تعلیم و تفہیم کی ضرورت ہے یہ صورت نہیں ہے کہ لوگ دین کی باتیں بھولے ہوئے ہیں اگر انہیں یاد دلا دی جائیں تو وہ ان کو اختیار کر لیں گے بلکہ اشاعت باطل کے وسیع ذرائع نے اس زمانے میں عام اذہان کے اندر بھی دین اور دینی احکام سے متعلق بے شمار غلط فہمیاں بھر دی ہیں جن کو دور کرنے کا سامان کرنا ان لوگوں پر واجب ہے جو آج ملک کے عوام کی اس پہلو سے کوئی خدمت کرنا چاہتے ہوں۔ آج اخبارات گھر گھر پہنچ رہے ہیں، ریڈیو کھیتوں اور کھلیانوں تک میں موجود ہے۔ اس وجہ سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ زندگی کے جدید شیطانی نظریات سے ہمارے عوام بے خبر ہیں یا وہ ان سے بالکل بے تعلق ہیں۔ ان سے تاثر کے معاملے میں شہری اور دیہاتی آبادی میں کچھ فرق ہونا تو ایک قدرتی امر ہے۔ لیکن دیہاتی آبادی کو ان فتنوں سے بالکل الگ تھلگ خیال کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس وجہ سے ان کے اندر کام کرنے کے وہ طریقے اختیار کرنے ہوں گے جو موجودہ حالات میں ان کے لئے موثر اور مفید ہوں۔

جہاں تک ملک کے ارباب اقتدار کا تعلق ہے ان کے بارے میں بھی ہمارے ہاں سخت افراط و تفریط پائی جاتی ہے ایک تو وہ لوگ ہیں جو ان کی اصلاح کے معاملے میں بالکل بے تعلق ہیں۔ انہیں ان کے خیر و شر سے کوئی دلچسپی نہیں ہے

دوسرے وہ لوگ ہیں جو ان کے شر کو بھی خیر ہی کہنا پسند کرتے ہیں

تیسرے وہ لوگ ہیں جو ان کے خیر کو بھی شر قرار دیتے ہیں اور ہر حالت میں ان کی مخالفت کرنا ان کے ہاں جزو ایمان ہے

آپ کی یہ قرارداد ان تینوں طریقوں کو غلط قرار دیتی ہے اور دین کی روشنی میں ایک چوتھا طریقہ آپ کے سامنے پیش کرتی ہے۔

جہاں تک پہلے طریقے یعنی لاتعلقی کے رویہ کا تعلق ہے۔ اس کے بارے میں تفصیل کے ساتھ میں عرض کر چکا ہوں کہ اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہ کوئی پرایا جھگڑا نہیں ہے جس سے علیحدہ رہنے میں آدمی کے لئے سعادت ہو بلکہ ہم میں سے ہر شخص کے اپنے دین و ایمان کا معاملہ ہے۔ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح تعلیمات کی روشنی میں بتا چکا ہوں کہ جو شخص معاشرہ کے خیر و شر سے بے پروا

ہے وہ خود اپنے دین و ایمان سے بے پروا ہے اور اس کی یہ بے پروائی اس کی ساری دین داری کو غارت کر کے رکھ دے گی۔ ہم جس کشتی پر سوار ہیں اپنے امکان کے حد تک کسی کو اس کے پیندے میں سوراخ کرتے ایک تماشائی کی طرح نہیں دیکھ سکتے

دوسرے گروہ کا رویہ بھی بالکل غلط ہے۔ جو چیز غلط ہے اگر وہ ارباب اقتدار کی طرف سے ظہور میں آئے تو اس کی غلطی اور بھی سنگین ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ اس کے اثرات بہت دور رس ہوں گے۔ اگر کوئی شخص اس غلطی کو ثواب قرار دے تو یہ اس پر خاموش رہنے سے بھی بڑا جرم ہے۔ یہ رویہ اگر خوف یا طمع کی بناء پر اختیار کیا جائے تو یہ اسلام میں صریح نفاق ہے جو ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا اور اگر یہ اس بنیاد پر اختیار کیا جائے کہ اس سے حکومت کو ضعف پہنچتا ہے تو یہ بھی غلط ہے۔ اول تو حکومت کو ضعف پہنچ سکتا ہے تو غلط چیز سے نہ کہ صحیح چیز سے ثانیاً حکومت بجائے خود مقصد و غایت نہیں ہے بلکہ اسلام میں وہ اللہ کے قانون عدل و قسط کا ذریعہ ہے۔ اس وجہ سے حکومت کی مصلحت کے لئے بھی کسی شر کو خیر قرار دینا اپنے دین و ایمان پر کلہاڑی مارنا ہے۔

تیسرے گروہ کا رویہ بھی بالکل غلط ہے۔ ارباب اقتدار کی ہر بات کو ہدف تنقید بنا لینا یہاں تک کہ ان کے خیر کو بھی شر قرار دینا اور اس مخالفت میں اس حد تک بڑھ جانا کہ دوسروں کی برائیاں بھی ان کے کھاتے میں ڈال دینا نہ عقل و منطق کی رو سے جائز ہے نہ اسلام کی رو سے۔ یہ اقتدار کی ہوس میں اندھے ہو جانے کی علامت ہے اور اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ ایسے لوگوں کی صحیح بات بھی ارباب اقتدار کو اپیل نہیں کرتی۔ جن لوگوں کی ذہنیت یہ بن جاتی ہے وہ خیر خواہی کے جذبے سے بالکل خالی ہو جاتے ہیں درآں حالیکہ یہ جذبہ دعوت دین کی اصل روح ہے۔ اگر انسان خیر خواہی کے جذبے سے خالی ہو تو اس کی ہر بات نفرت اور عناد کی تخم ریزی کرتی ہے اور اگر وہ اس کے ساتھ دین کا نام لیتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ دین کو بھی لوگوں کی نگاہوں میں ایک نفرت انگیز چیز بنانا چاہتا ہے۔ ایسے لوگوں کے ہاتھوں دین کو جو نقصان پہنچا ہے وہ دین کے کھلے ہوئے دشمنوں کے ہاتھوں بھی نہیں پہنچا ہے۔ اس لئے کہ یہ لوگ اپنی ایک نفساتی جنگ میں دین کو ایک

ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور اس طرح بلاوجہ دین کو ان تمام لوگوں کے سامنے ایک حریف بنا کر کھڑا کر دیتے ہیں جن سے ان کی لڑائی ہوتی ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ اس طرح کے لوگ انسانیت اور خلق کی محبت سے بالکل عاری ہوتے ہیں۔ یہ لوگ دل سے اس بات کے آرزو مند ہوتے ہیں کہ ملک میں زلزلے آئیں، قحط پڑے، سیلاب آئیں، وبائیں پھیلیں تاکہ یہ ان سب چیزوں کا ذمہ دار حکومت کو ٹھہرا کر اپنے اقتدار کے لئے راہ ہموار کریں۔ ایسے بے درد اور سنگ دل لوگوں سے یہ توقع رکھنا کہ یہ دین کی کوئی خدمت انجام دے سکیں گے محض خام خیالی ہے۔

آپ نے جو قرارداد پاس کی ہے۔ اس میں آپ نے ان تمام طریقوں سے الگ اپنے لئے "الدین النصیحۃ" کی راہ اختیار کی ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ آپ لوگوں کے خیر و شر سے بے تعلق نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ یہ خیر خواہی کے خلاف ہے۔ اسی طرح آپ کسی کے شر کو خیر بھی نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ یہ بھی حق اور خیر خواہی کے خلاف ہے۔ علیٰ ہذا القیاس آپ کسی کی مخالفت کے جوش میں اس کی نیکی کو بدی نہیں ٹھہرا سکتے اس لئے کہ یہ بھی سچائی اور خیر خواہی کے خلاف ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ دین کو ہوس اقتدار کی جنگ میں ایک ہتھیار کے طور پر کبھی استعمال نہیں کریں گے بلکہ جس کے سامنے بھی اس کو پیش کریں گے اللہ کے دین کی حیثیت سے پیش کریں گے کہ اسی میں اس کی بھی بھلائی ہے اور اسی میں آپ کی بھی بھلائی ہے۔ یہی حضرات انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے اور یہی آپ کو اختیار کرنا ہے۔

رفیقو! میں سمجھتا ہوں کہ ایک واضح چیز کی وضاحت کرنے میں آپ کا بہت سا وقت میں نے لیا۔ اب میں اپنی تقریر ختم کرتا ہوں اور اپنے اور آپ کے لئے دعا کرتا ہوں کہ ہم نے جو کچھ طے کیا ہے اس پر ہم عمل کرنے کی توفیق پائیں۔

اقول قولی ہذا و استغفر اللہ لی ولکم ولسائر
المسلمین والمسلمات!

مولانا امین احسن اصلاحی کا

الوداعی خطاب

عزیز ساتھیو!

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے آپ نے ایک جماعتی نظم کے قیام کی قرارداد بہ اتفاق کر لیا۔ میں اس پر آپ کو مبارکباد دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کام کے لئے عزم و ہمت عطا فرمائے اور ہر قدم پر ہماری دستگیری اور رہنمائی فرمائے ——— میں اس موقع پر آپ کے سامنے یہ اعتراف کرتا ہوں کہ ہر چند اس کی ضرورت اور اہمیت مجھ پر واضح تھی لیکن میں دو سبب سے اس قسم کی ذمہ داری سے گریز کرتا رہا۔ ایک تو یہ کہ اب میرے قویٰ ضعیف ہو رہے ہیں۔ کوئی بھاری بوجھ اٹھانا میرے لئے ممکن نہیں رہا۔ دوسرا یہ کہ زندگی کے اس آخری دور کے لئے اپنے ذوق کے مناسب جو کام میں نے تجویز کر لیا تھا اب وقت و فرصت کا لمحہ لمحہ اس پر صرف کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ دوستوں کے شدید اصرار بلکہ دباؤ کے باوجود میں خود اس کے لئے پہل کرنے کی ہمت نہیں کر سکا۔ دوستوں نے جب کبھی اس فریضہ کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی میں ان کے دلائل کا تو انکار نہ کر سکا لیکن اپنی کمزوریوں اور مجبوریوں پر نگاہ کر کے ان کی بات کو ٹالتا ہی رہا۔ میں یہ بھی محسوس کرتا رہا کہ اگرچہ میرے اوقات تمام تر دینی و علمی کاموں ہی میں بسر ہو رہے ہیں تاہم معاشرے سے متعلق مجھ پر جو فریضہ عاید ہوتا ہے اس میں مجھ سے کوتاہی ہو رہی ہے۔ جس کے سبب سے نہ صرف میری بعض صلاحیتیں سکڑ رہی ہیں بلکہ اندیشہ اس بات کا ہے کہ اس پر مجھ سے مواخذہ ہو۔ ان تمام احساسات کے باوجود میں اپنے آپ کو معذور سمجھتا رہا۔ جس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے۔ کہ آدمی اپنے آپ کو معذور سمجھنے میں بڑا فیاض ہوتا ہے۔

بہرحال اب میں پورے شرح صدر کے ساتھ اس کام میں شریک ہوتا ہوں اور ان تمام دوستوں کا دل سے شکر گذار ہوں جنہوں نے اس عظیم فرض کی اہمیت کو سمجھا

اور ہم سب کو اس کے سمجھانے کا اہتمام کیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی طرف سے ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

میرے ذمہ اس وقت آپ تمام شرکائے مجلس کو بعض ضروری ہدایات دینے کا کام سپرد کیا گیا ہے۔ یہ ہدایات ان کاموں سے متعلق ہیں جو آپ کو یہاں سے رخصت ہونے کے بعد کرنے ہیں۔ براہ کرم ان کو نوٹ کر لیجئے۔

جماعتی تنظیم سے متعلق اس وقت آپ کو پہلا کام یہ کرنا ہے کہ تنظیم کے نظام و دستور سے متعلق آپ کے سامنے جو تجویزیں ہیں وہ مقامی رفقاء سے مشورہ کے بعد قلمبند کر کے شیخ سلطان احمد صاحب کے پاس بھیج دیجئے۔ تاکہ مجلس مشاورت ان سے فائدہ اٹھا سکے۔ حتی الوسع اس بات کی کوشش کیجئے کہ تجاویز کے بارے میں اگر اختلاف رائے ہو تو وہ غور و بحث سے مقامی رفقاء ہی کے اندر طے ہو جائے۔ تاکہ آگے کا کام آسان ہو جائے اگر غور و بحث کے بعد بھی کسی امر میں اختلاف باقی رہ جائے تو اس کو نوٹ کر دیا جائے۔

اپنی اور اپنے دوسرے بھائیوں کی اصلاح و تربیت سے متعلق جو کام آپ کو کرنے ہیں ان کے بارے میں مفصل ہدایات تو افرادی قوت کا جائزہ لینے کے بعد ہی دی جا سکیں گی لیکن چند کام ایسے ابتدائی اور بدیہی نوعیت کے ہیں کہ ان کا اہتمام بلا تاخیر آپ کو کرنا چاہئے۔

پہلا کام نماز کا اہتمام ہے۔ نماز ہمارے دین میں ایمان کا اولین تقاضا ہے۔ قرآن و حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ اسلامی تنظیم کی شیرازہ بندی اسی چیز سے ہوئی ہے اور انبیاء علیہم السلام نے اصلاح و تربیت کا پہلا قدم اسی سے اٹھایا ہے۔ آپ بھی اس کی پابندی کے لئے مضبوط عہد کیجئے اور اپنے عزیزوں، قریبوں، دوستوں، پڑوسیوں اور محلہ والوں کو بھی دلسوزی اور خیر خواہی کے ساتھ اس کی تلقین کیجئے۔ نماز کے اہتمام میں یہ بات بھی داخل ہے کہ حتی الوسع محلہ کی مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کیجئے۔ بغیر کسی عذر معقول کے اس میں کوتاہی نہ کیجئے اور دوسروں کو بھی نماز جماعت کی عظمت و اہمیت سمجھانے کی کوشش کیجئے۔

دوسرا کام یہ ہے کہ اپنے دینی علم میں اضافہ کا اہتمام کیجئے۔ جن مقامات پر یہ

ممکن ہو کہ کسی ذی علم کی رہنمائی میں قرآن مجید کا اجتماعی مطالعہ کیا جا سکے وہاں حلقۂ تدبر قرآن قائم کیجئے اور ہفتہ میں کم از کم ایک دن اس کام کے لئے خاص کیجئے کہ کچھ وقت قرآن کے تفکر و مطالعہ میں بسر ہو۔ اس کے ساتھ اگر حدیث کی ایسی کتابوں کا مطالعہ بھی کیا جائے جو اخلاقی احادیث پر مشتمل ہیں، مثلاً ریاض الصالحین وغیرہ تو اس سے مزید خیر و برکت ہوگی۔ اگر کسی ذی علم کی رہنمائی حاصل نہ ہو تو عام حلقۂ مطالعہ اسلامی قائم کیجئے اور منتخب اسلامی کتب کا التزام سے مطالعہ کیجئے۔ اس قسم کے حلقوں میں اپنے ان دینی بھائیوں کو بھی شرکت کی دعوت دیجئے جن کے اندر دین اور علم دین کی رغبت محسوس کیجئے۔

آپ لوگوں میں سے جن لوگوں نے جدید تعلیم پائی ہے ان کو میں یہ مشورہ بھی دونگا کہ وہ عربی زبان سیکھنے کی کوشش کریں تاکہ وہ قرآن و حدیث سے براہ راست استفادہ کر سکیں۔ بظاہر یہ کام مشکل نظر آتا ہے لیکن شوق اور طلب سے ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ اپنے اپنے شہروں میں جس عالم سے بھی اس کام میں آپ کو مدد ملنے کی توقع ہو اس سے استفادہ کیجئے۔ ہم خود بھی حالات کا جائزہ لینے کے بعد اس مسئلہ پر غور کریں گے کہ آسان طریقہ سے آپ کو عربی زبان سکھانے کی کیا شکل اختیار کی جا سکتی ہے۔ لاہور میں اس سلسلہ میں ہم نے جو تجربے کئے ہیں ہم ان سے بھی آپ کو آگاہ کریں گے تاکہ جن مقامات پر اس نہج پر درس جاری ہو سکے وہاں اس نہج پر درس جاری کئے جائیں۔

تیسرا کام یہ ہے کہ اپنے اپنے مقامات پر اپنے ہم خیال اور رفیق تلاش کیجئے جن کے تعاون سے پیش نظر مقصد کو تقویت حاصل ہو۔ جو اس جدوجہد میں آپ کے لئے سہارا بن سکیں اور جن کے لئے آپ سہارا بن سکیں۔ جو آپ کی اصلاح کریں اور جن کی آپ اصلاح کریں۔ جماعتی زندگی کی یہی خیر و برکت ہے جو انفرادی زندگی میں حاصل نہیں ہو سکتی اگرچہ یہ زمانہ بہت برا ہے لیکن اس برے زمانے میں بھی اچھی روحیں اور نیک نفوس موجود ہیں۔ ضرورت ڈھونڈنے اور جستجو کی ہے۔ جب آپ جستجو کریں گے تو اللہ کے بے شمار بندے ایسے مل جائیں گے جو آپ کی رفاقت کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ کتنے نفوس ہوتے ہیں جن کے اندر دینی حس موجود ہوتی ہے لیکن کوئی اس کے اکسانے والا نہیں ہوتا اس وجہ سے وہ دبی ہوئی رہتی

ہے۔ آپ ایسے نفوس تلاش کیجئے، ان تک پہنچئے، ان سے تبادلہ خیالات کیجئے اور اس کام میں ان کو تعاون کی دعوت دیجئے۔

آپ کی اجتماعی طاقت جتنی ہی بڑھتی جائے گی اتنی ہی ان کاموں کی انجام دہی آپ کے لئے آسان ہوتی جائے گی جو افراد اور معاشرہ کی اصلاح سے متعلق آپ پیش نظر رکھتے ہیں۔

یہ چند ابتدائی کام ہیں جو اس قرارداد کی روشنی میں جو آپ نے پاس کی ہے فی الفور شروع کئے جا سکتے ہیں۔ آگے اللہ تعالیٰ مزید کاموں کی راہیں کھولے گا۔ اگر ہمارے اندر اس کے دین کی خدمت کے لئے اخلاص ہوگا۔ اب دعا کیجئے کہ ہمیں اس کام کے لئے سچا عزم حاصل ہو اور ہر قدم پر توفیق الٰہی ہماری رہنمائی فرمائے۔

مولانا امین احسن اصلاحی کے

دورے کا پروگرام

سکھر

۲۶-۲۷ اکتوبر ۱۹۶۷ء

مجلس مشاورت کے اجلاس میں شرکت فرمائیں گے اور

خطبہ جمعہ ارشاد فرمائیں گے

کراچی

۲۸-۲۹-۳۰ اکتوبر ۱۹۶۷ء

پروگرام کی تفاصیل بعد میں طے ہوگی

(سلطان احمد، معتمد مجلس مشاورت)

علوم قرآنی کا بیش بہا خزانہ

مولانا امین احسن اصلاحی

کی تفسیر

تدبّرِ قرآن

جلد اول

مشتمل بر

مقدمہ و تفاسیر آیۃ بسم اللہ، سورۂ فاتحہ، سورۂ بقرہ و سورہ آل عمران

پریس میں جا چکی ہے

سائز ۲۲×۲۹/۸، صفحات ۸۶۸ علاوہ فہرست

آفسٹ کی دیدہ زیب طباعت

مضبوط و پائدار چرمی جلد کے ساتھ

ہدیہ ۳۰ روپے

علاوہ محصول ڈاک

آرڈر جلد بک کرائیں

دار الاشاعت الاسلامیہ

امرت روڈ کرشن نگر لاہور

تدبر قرآن

امین احسن اصلاحی

تفسیر سورہ نساء

(۷)

۲۶- آگے کا مضمون، آیات ۷۷-۸۵

آگے انہی منافقین کی مزید کمزوریاں اور شرارتیں واضح کی جا رہی ہیں تاکہ مسلمان ان کے فتنوں سے آگاہ ہو جائیں اور ان کی وسوسہ اندازیوں سے مسلمانوں کے اندر جو غلط اور منافیِ توحید و اسلام رجحانات ابھر سکتے ہیں ان کا اچھی طرح ازالہ ہو جائے۔

پہلے ان منافقین کے اس عجیب و غریب رویے پر توجہ دلائی کہ اب تک تو اپنے ایمان و اخلاص کی دھونس جمانے کے لیے یہ بہت بڑھ بڑھ کر جہاد کے لیے مطالبہ کر رہے تھے معلوم ہوتا تھا کہ ان میں سے ایک ایک شخص جہاد کے عشق سے سرشار ہے لیکن پیغمبر کی طرف سے ان کو صبر و انتظار کی ہدایت کی جاتی تھی کہ ابھی اس کا وقت نہیں آیا ہے، ابھی نماز اور زکوٰۃ کے اہتمام کے ذریعے سے اپنے آپ کو مضبوط اور منظم کرو تاکہ وقت آنے پر پوری مومنانہ شانِ استقامت کے ساتھ خدا کی راہ میں لڑ سکو۔ لیکن اب جب کہ جنگ کا حکم دے دیا گیا ہے تو بچتے پھرتے ہیں اور خدا سے زیادہ انسانوں سے ڈرتے ہیں اور رونا رو رہے ہیں کہ اتنی جلدی جہاد کا حکم کیوں دے دیا گیا۔

اس کے بعد ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ فرائض سے فرار موت سے بچنے کا کوئی رستہ نہیں ہے۔ موت اپنے وقت پر آئے گی اور جب اس کا وقت آ جائے گا تو وہ ہر شخص کو ڈھونڈھ نکالے گی خواہ وہ کتنے ہی مضبوط قلعوں کے اندر چھپا بیٹھا ہو۔

پھر منافقین کے ایک ذہنی انجھاؤ سے پردہ اٹھایا ہے کہ ان لوگوں کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ پیغمبر جو کچھ بھی کرتے ہیں خدا ہی کے حکم اور خدا ہی کی رہنمائی میں کرتے ہیں۔ اس وجہ سے اگر انہیں کامیابی حاصل ہو تو اس کو تو یہ خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اگر کوئی افتاد پیش

آجائے تو اس کو پیغمبر کی بے تدبیری کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ محض ان کی نا سمجھی ہے۔ خیر ہو یا شر سب خدا ہی کی مشیت سے ظہور میں آتا ہے۔ اس کارخانۂ کائنات میں دو مشیتیں کارفرما نہیں ہیں، صرف ایک ہی کی مشیت کارفرما ہے۔ البتہ یہ بات ہے کہ شر جب ظہور میں آتا ہے تو وہ انسان کے اپنے اعمال پر مترتب ہوتا ہے۔

اس کے بعد اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ اگر ان کو تمہاری رسالت کے باب میں تردد ہے تو ہوا کرے۔ بہرحال تم اللہ کے رسول ہو اور تمہاری رسالت پر اللہ کی گواہی کافی ہے۔ اب اللہ کی اطاعت کی راہ یہی ہے کہ لوگ تمہاری اطاعت کریں، جو تمہاری اطاعت سے گریز کرنا چاہتا ہے وہ جہاں چاہے بھٹکتا پھرے، تمہارے اوپر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

پھر فرمایا کہ ان لوگوں کے دورخے پن کا یہ حال ہے کہ جب تمہارے پاس ہوتے ہیں اور تم اللہ کی آیات اور اس کے احکام و ہدایات ان کو سناتے ہو تو ہر بات پر سر تسلیم خم کرتے ہیں لیکن جب تمہارے پاس سے ہٹتے ہیں تو اس کے خلاف آپس میں طرح طرح کی سرگوشیاں کرتے اور باتیں بناتے ہیں۔ اس کی جو باتیں اپنے اغراض و خواہشات کے خلاف پاتے ہیں انہیں اپنی نجی مجلسوں میں نکتہ چینیوں اور اعتراضات کا ہدف بناتے ہیں۔ ایک طرف قرآن کو اللہ کی کتاب بھی مانتے ہیں اور اس کے آگے سر تسلیم خم کرنے کا اظہار کرتے ہیں، دوسری طرف اس کی بہت سی باتوں کی مخالفت بھی کرتے ہیں۔ گویا انھوں نے قرآن کو بیک وقت دو ارادوں کا ملغوبہ سمجھ رکھا ہے جس میں کچھ حصہ تو اللہ کی طرف سے ہے جسے یہ مانتے ہیں اور کچھ حصہ غیر اللہ کی طرف سے ہے جس کی یہ مخالفت کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن کی وحدت اور اس کی ہم رنگی و ہم آہنگی اس بات کی نہایت قطعی شہادت ہے کہ اس میں مختلف ارادوں کی کارفرمائی نہیں ہے بلکہ یہ ایک ہی خدائے علیم و حکیم کا اتارا ہوا ہے۔ اگر اس میں اللہ کے سوا غیر اللہ کی بھی کوئی مداخلت ہوتی تو اس میں قدم قدم پر تناقض ہوتا اس لیے کہ دو مختلف ارادوں اور دماغوں کی لکھی ہوئی چیز میں اختلاف و تناقض کا پایا جانا لازمی ہے۔

اس کے بعد منافقین کی ایک شرارت کا ذکر فرمایا کہ یہ لوگ مسلمانوں سے متعلق امن یا خطرے کی کوئی بات سنتے ہیں تو اس کو لے اڑتے ہیں اور لوگوں کے اندر سنسنی پیدا کرنے کے لیے اس کو پھیلا دیتے ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ ملت کے بدخواہ اور اس کے اندر انتشار کے

خواہاں ہیں۔ اگر یہ خیر خواہ ہوتے تو اس طرح کی کوئی بات اگر ان کے علم میں آتی تو پہلے اس کو رسول اور امت کے ارباب حل و عقد کے سامنے لاتے تاکہ وہ اس کے تمام پہلوؤں پر غور کر کے فیصلہ کر سکتے کہ اس صورت میں کیا قدم اٹھانا چاہیے۔ آخر میں فرمایا کہ جنگ کا جو حکم تمہیں دیا جا رہا ہے اس میں تم پر اصل ذمہ داری تمہارے اپنے ہی نفس کی ہے۔ تم خود اٹھو اور مومنین مخلصین کو اٹھنے کی ترغیب دو۔ اللہ چاہے گا تو تمہارے ہی ذریعے سے وہ ان کفار کے زور کو توڑ دے گا۔ اللہ بڑی زبردست طاقت والا ہے۔ رہے یہ منافقین تو ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ جو کسی کار خیر میں تعاون کرتا اور اس کے حق میں لوگوں کو ابھارتا ہے وہ اس میں سے حصہ پائے گا اور جو کسی کار خیر سے خود رکتا ہے اور دوسروں کو روکنے کی کوشش کرتا ہے وہ اپنے اس عمل سے حصہ پائے گا۔ اب اس روشنی میں آگے کی آیات تلاوت فرمائیے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللَّهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ ۗ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِمَنِ اتَّقَىٰ وَلَا تُظْلَمُونَ فَتِيلًا ۝ أَيْنَمَا تَكُونُوا يُدْرِكْكُمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُشَيَّدَةٍ ۗ وَإِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِنْدِكَ ۚ قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ فَمَالِ هَٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا ۝ مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ ۖ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ ۚ وَأَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝ مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ۖ وَمَنْ تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ۝ وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ ۖ وَاللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُونَ ۖ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ۝ وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ ۖ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ

الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ ۗ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۸۳﴾ فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ ۚ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ ۖ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَكُفَّ بَأْسَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ وَاللَّهُ أَشَدُّ بَأْسًا وَأَشَدُّ تَنْكِيلًا ﴿۸۴﴾ مَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِنْهَا ۖ وَمَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَكُنْ لَهُ كِفْلٌ مِنْهَا ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُقِيتًا ﴿۸۵﴾

ترجمہ: تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن سے کہا جاتا تھا کہ اپنے ہاتھ روکے رکھو اور نماز کا اہتمام رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو تو جب ان پر جنگ فرض کر دی گئی تو ان میں سے ایک گروہ لوگوں سے اس طرح ڈرتا ہے جس طرح اللہ سے ڈرا جاتا ہے، یا اس سے بھی زیادہ۔ وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب تو نے ہم پر جنگ کیوں فرض کر دی، کچھ اور مہلت کیوں نہ دی۔ کہہ دو اس دنیا کی متاع بہت قلیل ہے اور جو لوگ تقویٰ اختیار کریں گے ان کے لیے آخرت اس سے کہیں بڑھ کر ہے، اور تمہارے ساتھ ذرا بھی حق تلفی نہ ہوگی۔ اور موت تم کو پالے گی تم جہاں کہیں بھی ہو گے، اگرچہ مضبوط قلعوں کے اندر ہی ہو۔ اور اگر ان کو کوئی کامیابی حاصل ہوتی ہے تو کہتے ہیں یہ خدا کی طرف سے ہے اور اگر کوئی گزند پہنچ جاتا ہے تو کہتے ہیں یہ تمہارے سبب سے ہے۔ کہہ دو ان میں سے ہر ایک اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ ان لوگوں کو کیا ہو گیا کہ یہ کوئی بات سمجھنے کا نام ہی نہیں لیتے۔ تمہیں جو سکھ بھی پہنچتا ہے خدا کی طرف سے پہنچتا ہے اور جو دکھ پہنچتا ہے وہ تمہارے اپنے نفس کی طرف سے پہنچتا ہے اور اے رسول ہم نے تم کو لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے اور اللہ کی گواہی کافی ہے اور جو رسول کی اطاعت کرتا ہے اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے روگردانی کی تو ہم نے اس پر تم کو نگران نہیں مقرر کیا۔ ۷۷ - ۸۰

اور یہ کہتے ہیں کہ سرِ تسلیم خم ہے، پھر جب تمہارے پاس سے ہٹتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ بالکل اپنے قول کے برخلاف مشورت کرتا ہے اور اللہ لکھ رہا ہے جو سرگوشیاں وہ کر رہے ہیں۔ تو ان سے اعراض کرو اور اللہ

پر بھروسہ رکھو اور اللہ بھروسہ کے لیے کافی ہے۔ اور کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے۔ اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں وہ بڑا اختلاف پاتے۔ ۸۱ - ۸۲

اور جب ان کو کوئی بات امن یا خطرے کی پہنچتی ہے تو وہ اسے پھیلا دیتے ہیں اور اگر یہ اس کو رسول اور اپنے اولوالامر کے سامنے پیش کرتے تو جو لوگ ان میں سے بات کی تہ کو پہنچنے والے ہیں وہ اس کو اچھی طرح سمجھ لیتے۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تھوڑے سے لوگوں کے سوا تم شیطان کے پیچھے لگ جاتے۔ ۸۳

پس اللہ کی راہ میں جنگ کرو۔ تم پر اپنی جان کے سوا کسی کی ذمہ داری نہیں ہے اور مومنوں کو اس کے لیے ابھارو۔ توقع ہے کہ اللہ کافروں کے دباؤ کو روک دے اور اللہ بڑے زور والا اور عبرت انگیز سزا دینے والا ہے۔ جو کسی اچھی بات کے حق میں کہے گا اس کے لیے اس میں سے حصہ ہے اور جو اس کی مخالفت میں کہے گا اس کے لیے اس میں سے حصہ ہے اور اللہ ہر چیز کی طاقت رکھنے والا ہے۔ ۸۵

۲۔ الفاظ کی تحقیق اور جملوں کی وضاحت

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللَّهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ ۗ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِمَنِ اتَّقَىٰ وَلَا تُظْلَمُونَ فَتِيلًا (۷۷)

اس دور میں کفار کے علاقوں میں مسلمانوں کی مظلومیت اور بے بسی کا جو حال تھا اس کا ذکر اوپر کی آیات میں گزر چکا ہے۔ ان حالات سے مدینہ کے مسلمانوں کے اندر جنگ کا احساس پیدا ہونا ناگزیر تھا۔ مسلمان اپنے اس احساس کا ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کرتے تو منافقین بھی پورے جوش و خروش سے جذبۂ جنگ کا اظہار کرتے بلکہ اپنی کمزوریوں پر پردہ ڈالنے

سکیں یہ کچھ زیادہ ہی جوش و خروش کا اظہار کرتے۔ قاعدہ ہے کہ جس کا عمل کمزور ہو وہ ایک قسم کے احساسِ کہتری میں مبتلا ہو جاتا ہے جس کے سبب سے اسے لاف زنی کا سہارا لینا پڑتا ہے تاکہ اس کی بزدلی کا راز دوسروں پر کھلنے نہ پائے۔ چنانچہ منافقین بھی زبان سے بڑے دعوے کا اظہار کرتے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں روکتے کہ ابھی انتظار کرو اور نماز کے اہتمام اور زکوٰۃ کے ذریعے سے اپنے تعلق باللہ، اپنی تنظیم اور اپنے جذبۂ انفاق کو ترقی دو لیکن جب اس کا وقت آگیا اور جنگ کا حکم آگیا تو زبان کے ان غازیوں کا سارا جوش سرد پڑ گیا، اب یہ چھپنے کی کوشش کرتے اور دل میں جو رعب اور خشیت خدا کے لیے ہونی چاہیے اس سے زیادہ دہشت ان کے دلوں پر انسانوں کے لیے طاری تھی۔ یہ دل ہی دل میں کہتے کہ اے خدا اتنی جلدی تو نے یہ جنگ کا حکم کیوں دے دیا، کچھ اور مہلت کیوں نہ دی! قالوا کا لفظ یہاں ان کی ذہنی حالت کی تعبیر کر رہا ہے۔ عربی زبان اور قرآن میں اس کی مثالیں بہت ہیں۔ فرمایا کہ ان سے کہہ دو کہ اس دنیا کی زندگی اور اس کا عیش و آرام تو چند روزہ ہے۔ اس کے لیے اتنی بے قراری کیوں ہے۔ عیشِ دوام تو آخرت میں ہے جو بندوں سے ڈرنے والوں کے بجائے اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ہے۔ اس کے لیے کمر باندھیں اور اطمینان رکھیں کہ جو کریں گے اس میں سے رتی رتی کا صلہ پائیں گے۔ ذرا بھی ان کے ساتھ کمی نہیں کی جائے گی۔

جہاد اور نماز و زکوٰۃ میں گہری مناسبت ہے

اس آیت سے یہ بات نکلتی ہے کہ اسلامی جنگ کی روح اور نماز و زکوٰۃ میں نہایت گہری مناسبت ہے۔ جو لوگ خدا کی راہ میں لڑنے کے لیے تیار ہو رہے ہوں ان کے لیے اسلحے کی ٹریننگ سے زیادہ ضروری اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ ہے۔ جہاد میں جو للّٰہیت، اخلاص اور نظم و طاعت کی جو پابندی مطلوب ہے اس کی بہترین تربیت نماز سے ہوتی ہے اور اس کے لیے انفاق فی سبیل اللہ کا جو جذبہ درکار ہے وہ ایتائے زکوٰۃ کی پختہ عادت سے نشو و نما پاتا ہے۔ ان صفات کے بغیر اگر کوئی گروہ جنگ کے لیے اٹھ کھڑا ہو تو اس جنگ سے کوئی اصلاح وجود میں نہیں آسکتی، اس سے صرف فساد فی الارض ہی میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ یہی حکمت ہے کہ اسلامی جنگ کے سخت سے سخت حالات میں بھی نماز کے اہتمام و التزام کی تاکید ہوئی۔ آگے اسی سورہ میں اس مسئلے پر ہم بحث کرنے والے ہیں اس وجہ سے یہاں اشارے پر کفایت کرتے ہیں۔

أَيْنَمَا تَكُونُوا يُدْرِكْكُمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُشَيَّدَةٍ ۗ وَإِنْ

تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِنْدِكَ ۚ قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ فَمَالِ هَٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا (۷۸)

خوفِ موت کی نفسیات اور اس کا علاج

'بروج' 'برج' کی جمع ہے۔ اپنے ابتدائی مفہوم میں تو یہ کسی نمایاں اور واضح چیز کے لیے استعمال ہوا لیکن پھر یہ بلند عمارتوں اور قلعوں کے لیے معروف ہو گیا۔ اس کے ساتھ 'مشیدة' کی صفت بلندی اور استحکام دونوں مفہوموں پر مشتمل ہے۔

اب یہ ان منافقین کے خوفِ موت کی علت بھی واضح فرمائی ہے اور اس عقیدے کو بھی بیان فرمایا ہے جو اس خوف کا واحد علاج ہے۔ فرمایا کہ موت سے کسی کے لیے مفر نہیں ہے۔ جس کی موت جس گھڑی، جس مقام اور جس شکل میں لکھی ہے وہ آکے رہے گی، آدمی مضبوط سے مضبوط قلعوں کے اندر چھپ کے بیٹھے موت وہاں بھی اس کو ڈھونڈھ لے گی، اس وجہ سے اس سے ڈرنا اور بھاگنا بے سود ہے۔ آدمی پر جو فرض جس وقت عاید ہوتا ہے اس کو عزم و ہمت سے ادا کرے اور موت کے مسئلے کو خدا پر چھوڑے۔ آدمی کے لیے یہ بات تو جائز نہیں ہے کہ وہ تدبیر اور احتیاطوں سے گریز اختیار کرے اس لیے کہ اس کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ خدا کو آزمائے، لیکن ساتھ ہی یہ بات بھی جائز نہیں ہے کہ وہ یہ گمان رکھے کہ وہ اپنی تدابیر سے اپنے آپ کو موت سے بچا سکتا ہے۔

پھر منافقین کی ایک اور حماقت کی طرف بھی اشارہ فرمایا جس کو ان کی اس بزدلی کی پرورش میں بڑا دخل تھا وہ یہ کہ حق و باطل کی اس کشمکش کے دوران میں جو نرم و گرم حالات پیش آرہے تھے وہ ان سب کو خدا کی طرف سے نہیں سمجھتے تھے بلکہ کامیابیوں کو تو خدا کی طرف سے سمجھتے، لیکن کوئی مشکل یا کوئی آزمائش پیش آجاتی تو اسے پیغمبر کی بے تدبیری پر محمول کرتے کہ یہ مدبر لیڈر نہیں ہیں اس وجہ سے غلط اندازے اور غلط فیصلے کرتے ہیں جس کے نتائج غلط نکلتے ہیں۔ چنانچہ سورۂ آل عمران میں یہ بات گزر چکی ہے کہ منافقین نے احد کی شکست کی ساری ذمہ داری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ڈالنے کی کوشش کی کہ انہی کی بے تدبیری سے یہ شکست پیش آئی۔ اس سے یہ بات صاف نکلتی ہے کہ یہ لوگ نہ تو یہ مانتے تھے کہ کائنات میں صرف خدا ہی کی مشیئت کارفرما ہے اور نہ یہ مانتے تھے کہ رسول کا ہر کام خدا کے حکم کے تحت ہوتا ہے بظاہر تو آپ کی رسالت کا اقرار کرتے لیکن باطن میں ان کے یہی خیال چھپا ہوا تھا کہ آپ سارے

کام اپنی رائے اور اپنی تدبیر سے کرتے ہیں۔ ان کے اس واہمے کی تردید کے لیے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت فرمائی گئی کہ ان پر واضح فرما دیجیے کہ کامیابی ہو یا ناکامی، دکھ ہو یا سکھ، ان میں سے کوئی چیز بھی میری طرف سے نہیں ہے بلکہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے اس لیے بھی کہ میں کوئی کام خدا کے حکم کے بغیر نہیں کرتا اور اس لیے بھی کہ متصرف حقیقی اس کائنات کا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ ہی ہے، اس کی مشیت کے بغیر اس دنیا میں نہ کسی کو دکھ پہنچ سکتا ہے نہ سکھ۔ لیکن ان لوگوں کا حال تو یہ ہے کہ کسی بات کے سمجھنے کے پاس ہی نہیں پھٹکتے۔

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝ وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۷۹-۸۰

یہ آیتیں اوپر والی آیت ہی کے بعض اجمالات کو واضح کر رہی ہیں۔ پہلے ان لوگوں کو، جو کامیابیوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف اور ناکامیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر رہے تھے، مخاطب کر کے فرمایا کہ اصل حقیقت تو یہی ہے کہ خیر و شر ہر چیز کا ظہور خدا ہی کی مشیت سے ہوتا ہے۔ اس کے حکم و اذن کے بغیر کوئی چیز بھی ظہور میں نہیں آ سکتی لیکن خیر اور شر میں یہ فرق ہے کہ خیر خدا کی رحمت کے اقتضا سے ظہور میں آتا ہے اور شر انسان کے اپنے اعمال پر مترتب ہوتا ہے۔ اس پہلو سے شر کا تعلق انسان کے اپنے نفس سے ہے۔ یہ حقیقت یہاں ملحوظ رہے کہ اللہ تعالیٰ خیر مطلق ہے۔ اس نے یہ دنیا اپنی رحمت کے لیے بنائی ہے۔ اس وجہ سے اس کی طرف کسی شر کی نسبت اس کی پاکیزہ صفات کے منافی ہے۔ شر جتنا کچھ بھی ظہور میں آتا ہے وہ صرف انسان کے اپنے اختیار کے سوء استعمال سے ظہور میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک خاص دائرے کے اندر آزادی بخشی ہے۔ یہ آزادی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اسی پر انسان کے تمام شرف کی بنیاد ہے۔ اسی کی وجہ سے انسان آخرت میں جزا و سزا کا مستحق ٹھہرے گا۔ اگر یہ آزادی انسان کو حاصل نہ ہوتی تو حیوان اور انسان کے درمیان کوئی فرق نہ ہوتا۔ لیکن اس آزادی کے متعلق یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ یہ غیر محدود اور غیر مقید نہیں ہے بلکہ، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، ایک خاص دائرے کے اندر محدود ہے۔ پھر اس دائرے کے اندر بھی یہ خدا کی مشیت اور اس کی حکمت کے تحت ہے۔ خدا کے اذن و مشیت کے بغیر انسان اپنے کسی ارادے کو پورا نہیں کر سکتا۔ نیک ارادے

بھی اسی کی توفیق بخشی سے پورے ہوتے ہیں اور برے ارادے بھی اسی کے مہلت دینے سے بروئے کار آتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی کے کسی برے ارادے کو بروئے کار آنے دیتا ہے تو اس پہلو سے تو وہ خدا کی طرف منسوب ہوتا ہے کہ اس کا بروئے کار آنا خدا ہی کے اذن و مشیت سے ہوا لیکن دوسرے پہلو سے وہ انسان کا فعل ہے کیونکہ اس کا ارادہ انسان نے خود کیا۔

پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی فرد یا جماعت کے کسی شر کو سر اٹھانے کی مہلت دیتا ہے تو اس لیے دیتا ہے کہ اس میں بحیثیت مجموعی اس کی خلق کے لیے کوئی حکمت و مصلحت مدنظر ہوتی ہے۔ بعض اوقات اس ڈھیل سے اہل حق کی آزمائش ہوتی ہے کہ اس سے ان کی کمزوریاں دور ہوں اور ان کی خوبیاں نشوونما پائیں۔ بعض اوقات اس سے اہل باطل پر حجت تمام کرنا اور ان کے پیمانے کو لبریز کرنا ہوتا ہے۔ بعض اوقات قدرت خود ایسے حالات پیدا کرتی ہے جن سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ طبائع کے اندر جو کچھ دبا ہوا ہے وہ ابھرے۔ اس سے نیکیاں بھی ابھرتی ہیں اور جن کے اندر بدیاں مضمر ہوتی ہیں ان کی بدیاں بھی ابھرتی ہیں۔

منافقین کو مخاطب کرنے کے بعد آگے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر یہ منافقین تمہاری رسالت کے باب میں متردد ہیں اور تمہارے ہر قول و فعل کو خدا کی طرف سے نہیں سمجھتے تو اس بات کی کوئی پروا نہ کرو۔ تمہاری رسالت ان کی گواہی کی محتاج نہیں ہے۔ اس پر خدا کی گواہی کافی ہے۔ یہ لوگ مانیں یا نہ مانیں، اب اللہ کی اطاعت کی واحد راہ یہی ہے کہ لوگ تمہاری اطاعت کریں۔ خدا کی اطاعت رسول ہی کی اطاعت کے واسطے سے ہوتی ہے۔ جو لوگ تم سے اعراض کریں تم ان کی ہدایت کے ذمہ دار بنا کے نہیں بھیجے گئے ہو، ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ اب ذمہ داری تمہاری نہیں بلکہ خود ان کی ہے۔

یہاں خطاب ایک ہی سیاق میں منافقین سے بھی ہوا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی۔ لیکن ایسے مواقع میں اس طرح کے خطاب میں کوئی حرج نہیں ہے جہاں التباس کا اندیشہ نہ ہو۔ چونکہ پہلی بات واضح طور پر منافقین ہی کو مخاطب کر کے کہی جا سکتی تھی اس لیے کہ یہ انھی کے شبہے کا جواب ہے اس وجہ سے یہاں کسی التباس کا اندیشہ نہیں تھا۔ پھر دوسرے ٹکڑے میں آنحضرت صلعم کو مخاطب کر کے جو بات کہی گئی ہے اس میں بھی غور کیجیے تو روئے سخن درحقیقت

منافقین ہی کی طرف ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان سے اعراض کے اظہار کے طور پر ان کو مخاطب کرنے کے بجائے اپنے رسول کو مخاطب کر لیا۔ گویا ان کی طرف سے رسول کی اس ناقدری کے بعد اب وہ اس بات کے اہل نہیں رہے کہ ان کو خطاب کر کے ان سے رسول کے باب میں کوئی بات کہی جائے۔

وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ ۖ وَاللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُونَ ۖ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ۞ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا (۸۱ - ۸۲)

'طاعۃ' خبر ہے، مبتدا اس کا محذوف ہے اور یہ بات ہم واضح کر چکے ہیں کہ جب مبتدا کو حذف کر دیا جائے تو مقصود سارا زور خبر پر دینا ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب وہ پیغمبر کی مجلس میں ہوتے ہیں اور پیغمبر ان کو خدا کا کلام اور اس کے احکام سناتے ہیں تو وہ ہر بات پر کہتے ہیں کہ "سر تسلیم خم ہے۔"

'بَیَّتَ' کے معنی اصلاً تو کوئی عمل رات میں کرنے کے آتے ہیں لیکن اپنے عام استعمال میں یہ لفظ رات کی قید سے مجرد ہو کر چھپ کر کوئی کام، کوئی مشورہ، کوئی رائے کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ الفاظ کے اس طرح اپنے ابتدائی مفہوم سے مجرد ہو جانے کی مثالیں عربی زبان میں بہت ہیں۔ 'اضحی' اور 'بات' بھی اپنے عام استعمال میں دن اور رات کی قید سے مجرد ہو کر استعمال ہوتے ہیں۔ یہاں مطلب یہ ہے کہ نبی کی مجلس میں تو یہ ہر بات پر سر تسلیم خم کرتے ہیں لیکن جب وہاں سے ہٹتے ہیں تو اپنی مجلسوں میں ان آیات و احکام کے خلاف مشورے کرتے ہیں جن کو اپنی خواہشات اور اپنے مفاد ذاتی کے خلاف پاتے ہیں۔

ان کے اس رویے پر قرآن نے پہلے تو ان کو دھمکی دی کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی یہ ساری باتیں نوٹ ہو رہی ہیں، وہ یہ نہ سمجھیں کہ اگر وہ چھپ کر یہ سرگوشیاں کر رہے ہیں تو خدا سے بھی یہ چھپی ہوئی ہیں، ایک دن یہ سارا ریکارڈ ان کے سامنے آ جائے گا۔ اس کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت فرمائی کہ آپ ان سے اعراض فرمائیے اور خدا پر بھروسہ کیجیے، خدا کا بھروسہ کافی ہے، یہ شامت زدہ لوگ ان سرگوشیوں سے دینِ حق کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے، جو بگاڑیں گے اپنا ہی بگاڑیں گے۔

پھر منافقین کے اس تضادِ فکر کی طرف ان کو توجہ دلائی کہ ایک طرف قرآن اور پیغمبر کی باتوں پر سر تسلیم خم کرنا اور دوسری طرف اسی قرآن اور اسی پیغمبر کی باتوں کو ہدفِ اعتراض بنانا آخر کیا معنی رکھتا ہے؟ کیا ان کا خیال ہے کہ اس قرآن میں بیک وقت دو ارادوں [illegible] کی کارفرمائی ہے۔ اس کی کچھ باتیں دانشمندانہ اور حکیمانہ ہیں جو سراہنے کے قابل ہیں اور کچھ باتیں خلافِ حکمت و مصلحت ہیں جو اعتراض و تنقید کی سزاوار ہیں؟ کیا وہ قرآن پر غور نہیں کرتے؟ اگر غور کرتے تو خود دیکھ لیتے کہ قرآن کی ہر بات اپنے اصول اور فروع میں اتنی مستحکم اور مربوط ہے کہ ریاضی اور اقلیدس کے فارمولے بھی اتنے مستحکم و مربوط نہیں ہو سکتے۔ وہ جن عقائد کی تعلیم دیتا ہے وہ ایک دوسرے سے اس طرح وابستہ و پیوستہ ہیں کہ اگر ان میں سے کسی ایک کو بھی الگ کر دیجیے تو پورا سلسلہ ہی درہم برہم ہو جائے۔ وہ جن عبادات و طاعات کا حکم دیتا ہے وہ عقائد سے اس طرح پیدا ہوتی ہیں جس طرح تنے سے شاخیں پھوٹتی ہیں، وہ جن اعمال و اخلاق کی تلقین کرتا ہے وہ اپنے اصول سے اس طرح ظہور میں آتے ہیں جس طرح ایک شے سے اس کے قدرتی اور فطری لوازم ظہور میں آتے ہیں۔ اس کی مجموعی تعلیم سے زندگی کا جو نظام بنتا ہے وہ ایک بنیان مرصوص کی شکل میں نمایاں ہوتا ہے جس کی ہر اینٹ دوسری اینٹ سے اس طرح جڑی ہوئی ہے کہ ان میں سے کسی کو بھی الگ کرنا بغیر اس کے ممکن نہیں کہ پوری عمارت میں خلا پیدا ہو جائے۔

جس طرح اس کائنات کے اجزائے مختلفہ کا باہمی توافق اور ان کی سازگاری اس بات کی نہایت واضح شہادت ہے کہ اس کے اندر ایک ہی خدائے حی و قیوم کا ارادہ کارفرما ہے، کوئی اور اس میں شریک نہیں ہے اسی طرح اس کتاب عزیز کے مختلف اجزا کی باہمی سازگاری و ہم آہنگی اس بات کی نہایت واضح دلیل ہے کہ یہ ایک ہی خدائے علیم و حکیم کی وحی ہے، اس میں کسی اور جن یا بشر کی کوئی مداخلت نہیں ہے۔ جس طرح اس کائنات میں اگر مختلف ارادے کارفرما ہوتے تو یہ درہم برہم ہو کر رہ جاتی اسی طرح اس کتاب عزیز میں بھی اگر کسی اور فکر کی دراندازی ہوتی تو یہ تناقضات اور اختلافات کا ایک پراگندہ دفتر بن کے رہ جاتی۔

یہ آیت اس زمانے کے ان لوگوں کے لیے اپنے اندر بڑی تنبیہ کا سامان رکھتی ہے جو ایک طرف تو قرآن کو اللہ کی کتاب مانتے ہیں، دوسری طرف اس کی ان تمام تعلیمات کو ہدفِ تنقید بناتے ہیں جو ان کی خواہشات یا ان کے مزعومہ مصالح کے خلاف ہیں۔ ان کا یہ طرزِ عمل اس بات کی

غمازی کرتا ہے کہ وہ بھی ان منافقین ہی کی طرح اس کتاب میں خدا کے ساتھ غیر خدا کا ہاتھ بھی شریک مانتے ہیں، ورنہ آخر اس کے کیا معنی کہ اس کو خدا کی کتاب بھی مانا جائے اور پھر اس کی بہت سی باتوں کو اعتراض، تنقید، تشکک اور استہزا کا نشانہ بھی بنایا جائے۔

وَإِذَا جَآءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ ۖ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ ۗ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا (۸۳)

'اولوالامر' پر بحث اسی سورہ کی آیت ۵۹ کے تحت گزر چکی ہے۔

'استنباط' کا اصل مفہوم کنواں کھود کر اس سے پانی نکالنا اور کسی پوشیدہ چیز کو ظاہر کرنا ہے۔ اسی مفہوم سے ترقی کر کے کسی بات کی تہ کو پہنچنے اور اس کی حقیقت کو پانے کے معنی میں یہ استعمال ہوا۔

منافقین چونکہ ملت کے خیر خواہ نہیں تھے اس وجہ سے افواہیں پھیلانے کے معاملے میں بڑے چابک دست تھے۔ امن یا خطرے کی جو بات بھی ان کو پہنچتی آن کی آن میں جنگل کی آگ کی طرح ان کے ذریعے سے لوگوں میں پھیل جاتی۔ جماعتی زندگی میں افواہیں عام حالات میں بھی بڑے خطرناک نتائج پیدا کر سکتی ہیں اور جب حالات جنگ کے ہوں، جیسے کہ اس وقت تھے، تب ان کی خطرناکی دہ چند ہو جاتی ہے۔ منافقین ان افواہوں سے یوں تو مختلف فائدے اٹھانے کی کوشش کرتے لیکن خاص طور پر مسلمانوں، بالخصوص کمزور مسلمانوں کے حوصلے پست کرنے کے لیے یہ ان کا خاص حربہ تھا۔ بعض مرتبہ وہ اس طرح کی افواہوں سے مسلمانوں کے اندر غلط قسم کا اطمینان بھی پیدا کرنے کی کوشش کرتے اور ظاہر ہے کہ بے جا تشویش کی طرح غلط اطمینان بھی ایک خطرناک چیز ہے۔

فرمایا کہ اگر یہ اللہ، رسول اور ملت کے خیر خواہ ہوتے تو ان کے لیے صحیح طریقہ یہ تھا کہ اس طرح کی جو باتیں ان کے علم میں آتیں ان کو عوام میں سنسنی پیدا کرنے کا ذریعہ بنانے کے بجائے ان کو رسول اور امت کے ارباب حل و عقد کے سامنے پیش کرتے تاکہ ان میں سے اندر جو لوگ معاملات کی گہری سوجھ بوجھ رکھتے ہیں ان کے موقع و محل کا تعین کرتے اور ان کے باب میں صحیح پالیسی اختیار کرتے۔ 'علم' کے معنی کسی شے کے موقع و محل کے تعین کے بھی آتے ہیں۔ ہم بقرہ میں قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ اور بنی اسرائیل کے ہر قبیلہ نے اپنا اپنا

گھاٹ متعین کر لیا، کے تحت لفظ کے اس مفہوم کی طرف اشارہ کر چکے ہیں۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ الآیہ سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ اب بھی ان کے لیے سنبھل جانے کا موقع ہے۔ یہ اللہ کا فضل و احسان ہے کہ ابھی اس نے ان کو شیطان کے پیچھے بگٹٹ چل کھڑے ہونے کے لیے چھوڑ نہیں دیا ہے، ویسے ہے یہ بھی شیطان کی راہ۔

اس آیت سے اسلام میں سیاسی نظام کی اہمیت و عظمت واضح ہوتی ہے کہ عوام کو اجتماعی نفع و ضرر کے معاملات میں مرجع و معتمد اپنے اولوالامر کو بنانا چاہیے، بطور خود اس طرح کی چیزوں کو عوام میں پھیلانا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح اس سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ اسلام میں اولوالامر کے لیے ضروری ہے کہ وہ دین اور دنیا دونوں کی ایسی سوجھ بوجھ رکھنے والے ہوں کہ پیش آنے والے حالات و معاملات میں شریعت و مصلحت کے تقاضوں کے مطابق قدم اٹھا سکیں۔

فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ ۚ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ ۖ عَسَى اللَّهُ أَن يَكُفَّ بَأْسَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ وَاللَّهُ أَشَدُّ بَأْسًا وَأَشَدُّ تَنكِيلًا ۞ مَّن يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُن لَّهُ نَصِيبٌ مِّنْهَا ۖ وَمَن يَشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَكُن لَّهُ كِفْلٌ مِّنْهَا ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيتًا (۸۴-۸۵)

'شفع' کے معنی ہم سورہ بقرہ کی تفسیر میں واضح کر چکے ہیں کہ ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ جوڑنے کے ہیں۔ اسی مفہوم سے ترقی کر کے کسی کی بات کی تائید و حمایت یا اس کے حق میں سفارش کرنے کے معنی میں یہ استعمال ہوا۔ یہاں شفاعت حسنہ اور شفاعت سیئہ دو قسم کی شفاعتوں کا ذکر ہے۔ شفاعت حسنہ تو ظاہر ہے کہ یہ ہوگی کہ کسی مقصد حق کو اس سے تائید و تقویت حاصل ہو۔ اس کے برعکس شفاعت سیئہ یہ ہے کہ اس سے تقویت و تائید کے بجائے اس مقصد کو نقصان پہنچے۔ منافقین قرآن کی دعوت جہاد کے بیلے لوگوں کو ابھارنے کے بجائے جیسا کہ اوپر اشارہ ہوا اور آگے تفصیل آ رہی ہے، لوگوں کا حوصلہ پست کرنے کی کوشش کر رہے تھے اس وجہ سے قرآن نے ان کی اس کوشش کو شفاعت سیئہ سے تعبیر کیا۔

'مقیت' کے معنی شہید و حفیظ اور مقتدر کے ہیں۔

یاد ہوگا، اس مجموعہ آیات کا آغاز اس مضمون سے ہوا تھا کہ پہلے تو منافقین بہت بڑھ بڑھ کر جنگ و جہاد کی باتیں بناتے تھے لیکن اب جب کہ جنگ کا حکم دے دیا گیا ہے تو

پھیلتے پھرتے ہیں اور دوسروں کا حوصلہ بھی پست کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس کے بعد اسی سلسلہ کی دوسری باتیں زیرِ بحث آگئی تھیں۔ اب یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ آپ پر ذمہ داری صرف اپنے نفس کی ہے، آپ خود جنگ کے لیے اٹھیے اور مسلمانوں کو اٹھنے کے لیے ابھاریے، جس کو توفیق ہوگی وہ اٹھے گا، جو نہیں اٹھے گا اس کی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے۔ اللہ کے کام دوسروں پر منحصر نہیں ہوتے، وہ خود بڑی قوت رکھنے والا اور مخالفوں کو عبرت انگیز سزا دینے والا ہے۔ وہ آپ کے اور آپ کے مخلص ساتھیوں ہی کے اندر اتنی قوت پیدا کر دے گا کہ اسی سے کفار کا زور ٹوٹ جائے گا۔

اس کے بعد فرمایا کہ منافقین جو ریشہ دوانیاں اور افواہ بازیاں مسلمانوں کا حوصلہ پست کرنے اور جہاد سے روکنے کے لیے کر رہے ہیں اس کی پروا نہ کیجیے۔ جو آج حق کی تائید و حمایت میں اپنی زبان کھولیں گے وہ اس کا اجر پائیں گے اور جو اس کے خلاف کہیں گے وہ اس کی سزا بھگتیں گے، خدا سب کچھ دیکھ رہا ہے اور ہر چیز پر قادر ہے۔

۲۸۔ آگے کا مضمون۔ آیات ۸۶-۱۰۰

آیت ۸۱ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین سے اعراض کا جو حکم دیا گیا تھا اس کا اثر قدرتی طور پر جاں نثار صحابہ پر یہ پڑ سکتا تھا کہ جن کے باب میں ان کو شبہ بھی ہو جاتا کہ ان کا تعلق منافقین سے ہے ان سے وہ ربط ضبط اور سلام و کلام ختم کر دیتے اور اس طرح سے ایک معاشرتی بائیکاٹ کی شکل پیدا ہو جاتی جو ابھی اس مرحلے میں مطلوب نہیں تھی۔ اس وجہ سے ضروری ہوا کہ اس موقع پر مسلمانوں کو ایسی ہدایات دی جائیں جو ان کو اعتدال پر قائم رکھیں۔ وہ منافقین سے ہوشیار تو رہیں لیکن ان سے سلام کلام بند نہ کریں۔ ابھی ان کو اصلاحِ حال کا اور موقع دیں۔ چنانچہ سب سے پہلے مسلمانوں کو یہ ہدایت فرمائی کہ جو تمہیں سلام کرے اس کو اس کے سلام کا اس سے بہتر جواب دو یا کم از کم یہ کہ اس کے سلام کو لوٹا دو۔

پھر ان لوگوں کو خطاب کر کے جو دار الحرب کے منافقین کے لیے اپنے دل میں بڑا نرم گوشہ رکھتے تھے، اور ان کی منافیٔ اسلام حرکات کے واضح ہونے کے باوجود

یہ توقع رکھتے تھے کہ اگر ان کے ساتھ روابط قائم رکھے جائیں گے تو بالآخر یہ اچھے مسلمان بن جائیں گے فرمایا کہ یہ لوگ تو مسلمان بننے سے رہے البتہ اس بات کا اندیشہ ہے کہ اگر تم ان کے ساتھ بندھے رہے تو یہ تمہیں بھی لے ڈوبیں گے۔ پھر ان کے مخلص سمجھے جانے کے لیے یہ کسوٹی قرار دی کہ یہ اپنے ماحول سے ہجرت کر کے تمہارے ساتھ آ ملیں۔ اگر وہ ایسا نہ کریں تو پھر ان سے تعلق رکھنے کے بجائے ان کو دشمن اور دشمنوں کا ساتھی سمجھو، ان کے ساتھ جنگ کرو۔

اس حکمِ عام سے صرف ان مسلمانوں کو مستثنیٰ کیا جن کا تعلق ایسے غیر مسلم قبائل سے ہو جن کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ ہو یا معاہدہ تو نہ ہو لیکن ان قبائل کے مسلمان فی الحال اپنی غیر جانبداری باقی رکھنا چاہتے ہوں، نہ اپنی قوم کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑنے کے لیے تیار ہوں، نہ مسلمانوں کے ساتھ ہو کر اپنی قوم سے لڑنے کی جرأت کر رہے ہوں۔ فرمایا کہ اگر یہ اپنی غیر جانبداری باقی رکھیں، تم سے تعرض نہ کریں، تمہارے ساتھ ان کے تعلقات مصالحانہ رہیں تو تم بھی ان کے خلاف کوئی جارحانہ اقدام نہ کرو۔ اس کے ساتھ یہ وضاحت بھی فرما دی کہ ضروری ہے کہ یہ غیر جانبداری واقعی اور حقیقی ہو۔ بعض جماعتیں ایسی ہیں جو بظاہر تو غیر جانبداری کی مدعی ہیں لیکن جب ان پر کفار کا دباؤ پڑ جاتا ہے تو یہ اسلام دشمنی کے لیے آمادہ ہو جاتی ہیں۔ ان کے بابت فرمایا کہ ان کے ساتھ دشمنوں ہی کا سا معاملہ کرو، اگر یہ تمہارے خلاف جارحانہ اقدام سے باز نہ آئیں تو تم بھی ان کو قتل کرو۔

اس کے بعد دار الحرب میں خطاً یا عمداً قتل ہو جانے والے مسلمانوں کی دیت کا حکم بیان فرمایا اور نہایت سخت الفاظ میں وعید فرمائی کہ جو شخص عمداً کسی مسلمان کو قتل کر دے گا اس کے لیے دائمی عذابِ جہنم اور اس پر خدا کا غضب اور اس کی لعنت ہے۔ ساتھ ہی مسلمانوں کو ہدایت فرمائی کہ تم کفار کے جس علاقے پر حملہ کرو اس کے اندر کے مسلمانوں کے بارے میں پہلے اچھی طرح تحقیق کر لو تاکہ مسلمان تمہاری تلوار سے محفوظ رہیں اور اگر کوئی شخص اپنے ایمان کے اظہار کے لیے تمہیں سلام کرے تو تم محض طمعِ مال میں اس کو مسلمان تسلیم کرنے سے انکار نہ کرو۔

اس کے بعد تمام غیر معذور مسلمانوں کو جان و مال دونوں کے ساتھ خدا کی راہ میں

جہاد پر اور تمام غیر معذور مسلمانوں کو دار الحرب اور دار الکفر سے ہجرت پر ابھارا ہے اور ان کے مراتب و مدارج بیان فرمائے ہیں۔ اب اس روشنی میں آگے کی آیات تلاوت فرمائیے۔

وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا ۝ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ لَيَجْمَعَنَّكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۗ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا ۝ فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِئَتَيْنِ وَاللَّهُ أَرْكَسَهُم بِمَا كَسَبُوا ۚ أَتُرِيدُونَ أَن تَهْدُوا مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ ۖ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا ۝ وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً ۖ فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَإِن تَوَلَّوْا فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ ۖ وَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝ إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ أَوْ جَاءُوكُمْ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ أَن يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَاتَلُوكُمْ ۚ فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ۝ سَتَجِدُونَ آخَرِينَ يُرِيدُونَ أَن يَأْمَنُوكُمْ وَيَأْمَنُوا قَوْمَهُمْ كُلَّ مَا رُدُّوا إِلَى الْفِتْنَةِ أُرْكِسُوا فِيهَا ۚ فَإِن لَّمْ يَعْتَزِلُوكُمْ وَيُلْقُوا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوا أَيْدِيَهُمْ فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ ۚ وَأُولَٰئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا مُّبِينًا ۝ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَن يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً ۚ وَمَن قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَن يَصَّدَّقُوا ۚ فَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ وَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي

سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِندَ اللَّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ ۚ كَذَٰلِكَ كُنتُم مِّن قَبْلُ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝ لَّا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ ۚ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً ۚ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ دَرَجَاتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَرَحْمَةً ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنتُمْ ۖ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۚ فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ۝ فَأُولَٰئِكَ عَسَى اللَّهُ أَن يَعْفُوَ عَنْهُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا ۝ وَمَن يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيرًا وَسَعَةً ۚ وَمَن يَخْرُجْ مِن بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝

ترجمہ

اور جب تمھیں سلامتی کی کوئی دعا دی جائے تو تم بھی سلامتی کی اس سے بہتر دعا دو یا اسی کو لوٹا دو۔ اللہ ہر چیز کا حساب کرنے والا ہے۔ اللہ ہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ تم سب کو قیامت کے دن کی طرف لے جا کے رہے گا جس کے آنے میں کوئی شک نہیں اور اللہ سے بڑھ کر سچی بات کہنے والا کون ہو سکتا ہے؟ ۸۶-۸۷

پس تمھیں کیا ہوا ہے کہ تم منافقین کے باب میں دو گروہ ہو رہے ہو، اللہ نے تو انھیں ان کے کیے کی پاداش میں پیچھے لوٹا دیا ہے، کیا

تم ان کو ہدایت دینا چاہتے ہو جن کو خدا نے گمراہ کر دیا ہے۔ جن کو خدا گمراہ کر دے تو تم ان کے لیے کوئی راہ نہیں پا سکتے۔ یہ تو آرزو رکھتے ہیں کہ جس طرح انھوں نے کفر کیا ہے تم بھی کفر کرو کہ تم سب برابر ہو جاؤ تو تم ان میں سے کسی کو اپنا ساتھی نہ بناؤ جب تک وہ اللہ کی راہ میں ہجرت نہ کریں۔ اگر وہ اس سے اعراض کریں تو ان کو گرفتار کرو اور قتل کرو جہاں کہیں بھی پاؤ اور ان میں سے کسی کو ساتھی اور مددگار نہ بناؤ۔ صرف وہ لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جن کا تعلق کسی ایسی قوم سے ہو جن کے ساتھ تمھارا کوئی معاہدہ ہے۔ یا وہ لوگ جو تمھارے پاس اس حال میں آئیں کہ نہ اپنے اندر تم سے لڑنے کی ہمت پا رہے ہیں نہ اپنی قوم ہی سے۔ اگر اللہ چاہتا تو ان کو تم پر دلیر کر دیتا تو وہ تم سے لڑتے۔ پس اگر وہ تم سے کنارہ کش رہیں، تم سے جنگ نہ کریں اور تمھارے ساتھ صلح جویانہ رویہ رکھیں تو اللہ تم کو بھی ان کے خلاف کسی اقدام کی اجازت نہیں دیتا۔ ۸۸-۹۰

اور دوسرے کچھ ایسے لوگوں کو بھی تم پاؤ گے جو چاہتے ہیں کہ تم سے بھی محفوظ رہیں اور اپنی قوم سے بھی محفوظ رہیں لیکن جب جب فتنے کی طرف موڑے جاتے ہیں اس میں گر پڑتے ہیں۔ پس اگر یہ تم سے کنارہ کش نہ رہیں، تم سے صلح جویانہ رویہ نہ رکھیں اور اپنے ہاتھ نہ روکیں تو تم ان کو گرفتار کرو اور قتل کرو جہاں کہیں پاؤ۔ یہ لوگ ہیں جن کے خلاف ہم نے تم کو کھلا اختیار دیا۔ ۹۱

اور کسی مومن کے لیے روا نہیں کہ وہ کسی مومن کو قتل کرے مگر یہ کہ غلطی سے ایسا ہو جائے۔ اور جو کوئی کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو اس کے ذمہ ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا اور خون بہا ہے جو اس کے وارثوں کو دیا جائے الا یہ کہ وہ معاف کر دیں۔ پس اگر مقتول تمھاری دشمن قوم کا فرد ہو لیکن وہ بذات خود مسلمان ہو تو ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا ہے۔ اور اگر وہ کسی ایسی قوم کا فرد ہے جس کے ساتھ تمھارا

معاہدہ ہے تو خون بہا بھی ہے جو اس کے وارثوں کو دیا جائے اور ایک مسلمان غلام کا آزاد کرنا بھی۔ جس کو یہ استطاعت نہ ہو تو وہ لگاتار دو مہینے کے روزے رکھے۔ یہ اللہ کی طرف سے ٹھہرائی ہوئی توبہ ہے۔ اللہ علیم و حکیم ہے اور جو کوئی کسی مسلمان کو عمداً قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر خدا کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اللہ نے اس کے لیے ایک عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے۔ ۹۲-۹۳

اے ایمان والو! جب تم خدا کی راہ میں نکلا کرو تو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو اور جو تمھیں سلام کرے اس کو دنیوی زندگی کے سامان کی خاطر یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں ہے۔ اللہ کے پاس بہت سامان غنیمت ہے۔ تمھارا حال بھی پہلے ایسا ہی رہ چکا ہے۔ اللہ نے تم پر فضل فرمایا تو تحقیق کر لیا کرو۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے اچھی طرح باخبر ہے۔ ۹۴

مسلمانوں میں غیر معذور بیٹھ رہنے والے اور اللہ کی راہ میں اپنے جان و مال سے جہاد کرنے والے برابر نہیں ہیں۔ مال و جان سے جہاد کرنے والوں کو اللہ نے بیٹھ رہنے والوں پر ایک درجہ فضیلت کا بخشا ہے۔ یوں دونوں سے اللہ کا وعدہ اچھا ہے لیکن اللہ نے مجاہدین کو بیٹھ رہنے والوں پر ایک اجر عظیم کی فضیلت دی ہے۔ اس کی طرف سے درجے بھی اور مغفرت اور رحمت بھی۔ اور اللہ غفور رحیم ہے۔ ۹۵-۹۶

جن لوگوں کی جان فرشتے اس حال میں قبض کریں گے کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے ہوئے ہیں وہ ان سے پوچھیں گے کہ تم کس حال میں پڑے رہے۔ وہ جواب دیں گے ہم تو اس ملک میں بالکل بے بس تھے۔ وہ کہیں گے کہ خدا کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے۔ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔ البتہ وہ بے بس مرد، عورتیں اور بچے جو نہ تو کوئی تدبیر کر سکتے اور نہ کوئی راہ

پا رہے ہیں، یہ لوگ توقع ہے کہ اللہ ان سے درگزر فرمائے، بے شک اللہ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔ اور جو اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں بڑے ٹھکانے اور بڑی وسعت پائے گا اور جو اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کر کے نکلے گا، پھر اس کو موت آجائے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ لازم ہو گیا اور اللہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ ۹۷ - ۱۰۰

لاھور میں

مولانا امین احسن اصلاحی کا

ہفتہ وار درس قرآن وحدیث

زیر اہتمام

حلقۂ مطالعۂ اسلامی

کرشن نگر۔ لاہور

بر مکان ڈاکٹر اسرار احمد۔ ایم۔ بی بی ایس — امرت روڈ

نزد سراج بلڈنگ۔ کرشن نگر لاہور

ہر اتوار۔ عصر اور مغرب کے مابین ہوا کریگا

پہلا درس انشاءاللہ اتوار ۸ اکتوبر ۵ بجے شام ہوگا

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے

افادات فراہی

خالد مسعود

اسالیب قرآن

۴

۱۲۔ استفہام — اس کے متعدد فائدے ہوتے ہیں مثلاً تاکید، اقرار، تنبیہ، انکار، زجر، اظہار امر اور تحقیر۔

استفہام برائے امر کی مثالیں حسب ذیل ہیں۔

فَإِنْ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَكُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا أُنْزِلَ بِعِلْمِ اللَّهِ وَأَنْ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ فَهَلْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ (ھود ۱۴)

پھر اگر وہ تمہاری دعوت کو قبول نہ کریں تو جان رکھو کہ اسے اللہ کے علم کے مطابق نازل کیا گیا ہے اور یہ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اب کیا مسلمان ہوتے ہو؟

یہاں "کیا مسلمان ہوتے ہو" امر کے مفہوم میں ہے یعنی "اسلام لاؤ"۔

وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً أَتَصْبِرُونَ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا (فرقان ۲۰)

اور ہم نے تم میں سے ایک کو دوسرے کیلئے فتنہ بنایا کیا تم صبر کرو گے؟ اور تیرا رب دیکھنے والا ہے۔

ایک تاویل کے مطابق یہاں بھی "کیا تم صبر کرو گے؟" کا جملہ "صبر کرو" کے مفہوم میں ہے۔

فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ إِنِّي كَانَ لِي قَرِينٌ يَقُولُ أَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِينَ أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا لَمَدِينُونَ قَالَ هَلْ أَنْتُمْ مُطَّلِعُونَ فَاطَّلَعَ فَرَآهُ فِي سَوَاءِ الْجَحِيمِ (صافات ۵۰-۵۵)

پھر وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ کر کے پوچھیں گے، ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا کہ میرا ایک ساتھی تھا جو کہا کرتا کہ کیا تو بھی تصدیق کرنے والوں میں ہے؟ بھلا جب ہم مٹی اور ہڈیاں ہو گئے تو ہمیں بدلہ دیا جائے گا۔ وہ کہے گا کیا تم دیکھو گے؟ پھر وہ نظر اٹھائے گا تو اس کو وسط جہنم میں دیکھے گا۔

پہلی مثالوں کی طرح یہاں بھی "کیا تم دیکھو گے؟" امر کے مفہوم میں ہے۔

تحقیر کے مفہوم کے لئے استفہام کے استعمال کی مثالیں یہ ہیں:

أَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِينَ (صافات ۵۲)

کیا تو بھی تصدیق کرنے والوں میں سے تھا!

إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَاذَا تَعْبُدُونَ ۝ أَئِفْكًا آلِهَةً دُونَ اللَّهِ تُرِيدُونَ (صافات ۸۵-۸۶)
جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا، تم کس کی عبادت کرتے ہو کیا گھڑ کر کوئی معبود اللہ کے سوا بنانا چاہتے ہو؟

قَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ أَلَا تَسْتَمِعُونَ (شعراء ۲۵)
اس نے اپنے گرد والوں سے کہا سنتے نہیں ہو۔

استفہام کنایہ کے طور بھی متعدد معانی پر دلالت کرتا ہے اور کبھی کبھی اس کے اندر دو یا زیادہ مفہوم بھی جمع ہو جاتے ہیں۔

استفہام اگر اثبات یا نفی کے ساتھ ہو تو اس کا مفہوم الگ الگ ہوتا ہے حسب ذیل مثالوں پر غور کرو۔

۱۔ ؎ ألستم خير من ركب المطايا — وأندى العالمين بطون راح
(کیا تم سب لوگوں سے زیادہ بہتر اور تمام دنیا سے زیادہ تر دست اور فیاض نہیں ہو؟)

اس شعر میں نفی کے اسلوب میں مخاطب کو اس کی ایک ایسی صفت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جو ساری دنیا کے اندر تو معروف و مشہور ہے لیکن وہ خود اس سے بے خبر ہے۔ اس اسلوب میں اس بات کی دلیل بھی موجود ہے کہ فیاضی ان کی طبیعت اور عادت تھی۔ اس میں دکھاوے اور ہم چشموں کے ساتھ مقابلے کو دخل نہ تھا۔

۲۔ الست ترى السماد والناس احوالى — دیکھتا نہیں کہ محفل جمی ہے اور لوگ میرے گرد بیٹھے ہیں
یعنی یہ بات ہے تو بالکل ظاہر اور واضح مگر تیرا عمل یہ بتاتا ہے کہ تو اس کو دیکھ نہیں رہا ہے۔ گویا یہاں استفہام تنبیہ اور تعجب کے مفہوموں کا حامل ہے۔ یہی اسلوب سورۂ قیامہ میں استعمال ہوا ہے۔ فرمایا۔

أَيَحْسَبُ الْإِنسَانُ أَلَّن نَّجْمَعَ عِظَامَهُ (قیامہ ۳)
کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو اکٹھا نہ کریں گے۔

۱۳۔ استعمالات شرط | حرف شرط کے استعمال کے متعدد پہلو ہیں مثلاً

۱۔ مخاطب کے اقرار سے کسی معاملہ کو لازم کر دینا، جیسے فرمایا۔

قَالَ اتَّقُوا اللَّهَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ
اس نے کہا اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔

یعنی جب تم ایمان کا اقرار کرتے ہو تو تقویٰ تمہارے لئے خود بخود لازم ہو جاتا ہے۔

۲۔ ایک بات کے دعویدار کے دعویٰ کا انکار، جیسے فرمایا۔

بِئْسَمَا يَأْمُرُكُم بِهِ إِيمَانُكُمْ إِن
کیا ہی برا مشورہ دیتا ہے تم کو تمہارا ایمان، اگر تم

كُنتُم مُّؤْمِنِينَ (بقرہ ۹۳)
فی الواقع مومن ہو۔

اس آیت میں مذکورہ دونوں مفہوم جمع ہو گئے ہیں اور اس کے اشارات بہت گہرے ہیں۔

۱۴۔ وصف | وصف کے پہلو حسب ذیل ہیں۔

۱۔ کسی شے کا وصف اور نام وہ رکھنا جو وہ انجام کار ہونے والی ہے جریر کا شعر ہے

؎ لولا الخليفة يا أخيطل ما نجا — أيام دجلة شلوك المأكول
(اخیطل! اگر خلیفہ نہ ہوتا تو دجلہ کی جنگ میں تیر کھایا جانے والا جسم بچ نہ سکتا۔)

سورۂ الفیل میں اصحاب الفیل کو عصف ماکول سے جو تشبیہ دی ہے وہ بھی اسی اسلوب پر ہے۔ یعنی مراد ہے کھانے کا بھس، سورۂ انفال کی آیت ۴۲ میں بھی یہی اسلوب ملحوظ ہے۔ فرمایا

لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا
کہ اللہ اس کام کو کر دے جو کرنے کا تھا

۲۔ کبھی کبھی وصف بطور استدلال آیا کرتا ہے مثلاً ارشاد ہے۔

وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ (آل عمران ۱۲۶)
مدد نہیں آتی مگر اللہ کی جانب سے جو غالب اور حکمت والا ہے۔

ایک مقام پر استعمال وصف کے اس پہلو کو کھول بھی دیا ہے فرمایا وما النصر الا من عند الله ان الله عزیز حکیم

۳۔ وصف زیادہ تخصیص کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

۴۔ اس کا ایک پہلو تاکید بھی ہے۔

۵۔ بطور بیان و وضاحت بھی یہ مستعمل ہے۔

۱۵۔ تعمیم | کبھی کبھی ایک لفظ کو اصل مراد سے بہت زیادہ عام کر دیتے ہیں مثلاً فرمایا۔

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (النجم ۳-۴)
وہ خواہش کے مطابق نہیں بولتا، یہ تو وحی ہے جو اس کی طرف کی جاتی ہے

یہاں نطق کے لفظ کا اصل مفہوم اس وحی کا نطق ہے جو خدا نے بشکل قرآن نازل کی ہے۔ مثلاً ایک جگہ ہے:

إِن نَّقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ (ہود ۵۴)
ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی کی پھٹکار تم پر پڑ گئی ہے۔

یہ قول بھی نبی کی ان باتوں کی بابت تھا جو وہ وحی سے متعلق کہتے تھے۔

اسی اسلوب میں کبھی کبھی جمع کے صیغے سے فعل کی نسبت کسی مجموعہ کی طرف کی جاتی ہے۔ اور فرداً فرداً اس بات کو ان کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا۔ مثلاً فرمایا

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ	تم بہترین امت ہو جو برپا کی گئی۔ تم معروف
تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ	کا حکم دیتے ہو اور منکر سے روکتے ہو۔ اور اللہ
الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ۔	پر ایمان رکھتے ہو۔

آیت کے ظاہر معنی کے لحاظ سے امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا گمان یہ ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس امت کے ہر فرد پر واجب ہے اسی خیال کے تحت انھوں نے آیت ۔

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ	(تم میں سے ایک گروہ ایسا ہونا چاہئے جو بھلائی
إِلَى الْخَيْرِ ...... الخ	کی طرف بلاتے ہوں ....) کی تاویل میں غلطی کی اور

مِنْكُمْ کے بارے میں یہ رائے قائم کی کہ یہ تبعیض کے لئے نہیں ہے اس طرح انھوں نے ایک غلط تاویل اختیار کرلی اور عام معروف مفہوم کو ترک کر دیا حالانکہ یہ بات نہ صرف اصول تاویل کے خلاف اور سنت اور حکمت کے منافی ہے بلکہ اس آیت کے بعد آنے والی نظیر کے بھی خلاف ہے اس میں فرمایا۔

مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ	اہل کتاب میں سے ایک گروہ عہد پر قائم
يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ	ہے یہ رات کے وقتوں میں اللہ کی آیات
وَهُمْ يَسْجُدُونَ (آل عمران ۱۱۳)	کی تلاوت اور سجدہ کرتے ہیں۔

اس آیت کا مدعا یہ نہیں ہے کہ تمام اہل کتاب ان صفات کے حامل ہیں بلکہ مِن کا لفظ ان کے ایک حصہ کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

۱۶۔ مقابلہ و تفصیل قرآن مجید میں جو اسالیب بہت کثرت سے موجود ہیں ان میں ایک مقابلہ و تفصیل کا اسلوب بھی ہے مقابلہ کی مثال سورۂ انعام کی آیت میں ہے فرمایا

اَلْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ	شکر ہے اللہ کا جس نے آسمان اور زمین پیدا
وَالْأَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّورَ	کی اور تاریکی اور روشنی بنائی۔

یہاں آسمانوں اور زمین اور روشنی اور تاریکی کو مقابل میں رکھا۔

تفصیل کی مثال یہ ہے۔

هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ	وہی ہے اللہ پیدا کرنے والا، ایجاد کرنے والا
(حشر ۲۴)	اور صورت بنانے والا۔

یہاں برء اور تصویر لفظ خلق کے جامع معنی کی بھی تفصیل ہے اور خلق کے ابتدائی معنی یعنی تقدیر (اندازہ ٹھہرانا) کی بھی تفصیل ہے۔ گویا سب سے پہلے تقدیر ہوتی، پھر برء یعنی ایجاد اور اس کے بعد صورت گری۔

مقابلہ و تفصیل کے بابت یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ کبھی یہ مخفی اسلوب میں بھی آتے ہیں، مثلاً فرمایا۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ	اس نے آسمانوں اور زمین کو مقصد کے ساتھ
وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَ	پیدا کیا اور تمہاری صورت بنائی تو اچھی صورت
إِلَيْهِ الْمَصِيرُ (تغابن ۳)	بنائی اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

اس آیت میں الیہ المصیر کے الفاظ خلق کے مقابل ہیں کیونکہ خلق کا مفہوم ظاہر ہونا اور نکلنا ہے اور مصیر رجوع کے معنی میں آتا ہے۔

اسی طرح مخفی تفصیل کی مثال ہے۔

لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ	اسی کی ہے بادشاہی اور حمد اور وہ ہر چیز پر
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (تغابن ۱)	قادر ہے۔

چونکہ بادشاہی ظلم و زیادتی کے ساتھ بھی کی جا سکتی ہے اور رحمت کے جذبہ کے ساتھ بھی اور ان میں سے قابل تعریف وہی ہے جو رحم کے ساتھ کی جائے نیز بادشاہی مددگاروں کے زور بازو کی بدولت بھی ہو سکتی ہے۔ لہذا فرمایا کہ خدا کی بادشاہی رحمت اور وسیع قدرت کے ساتھ ہے۔ اور اس میں کوئی اس کا شریک نہیں۔

۱۷۔ دلیل پر متضمن قول قرآن مجید میں جو اسلوب بکثرت موجود ہیں ان میں یہ اسلوب بہت ہی نمایاں اور بہت ہی لطیف ہے۔ اس میں قول کے اندر ہی اس کی دلیل بھی موجود ہوتی ہے مثال کے طور پر سورہ بقرہ میں فرمایا۔

يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ	اے لوگو، عبادت کرو اپنے رب کی جس نے تم کو
وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ الَّذِي	اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم بچو۔ اس رب
جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً	کی جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور آسمان کو
وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ	چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتارا پھر اس کے ساتھ
مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا	پیداوار نکالی جو تمہارے لئے رزق ہے پس تم اللہ
لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ (بقرہ ۲۲)	کے ہمسر نہ ٹھہراؤ جب کہ تم جانتے ہو۔

اس آیت میں اپنے رب کی عبادت کرو۔ میں اس حکم کی یہ واضح دلیل یہ بیان بھی موجود ہے کہ ایک بندہ اگر اپنے پروردگار کی عبادت نہ کریگا تو پھر کون ہے جو اس کی عبادت کرے۔ اس دلیل کے بیان کرنے کے بعد پروردگار کی ان صفات کا حوالہ دیا جو عبادت کے لئے خدائے واحد کے استحقاق کو ثابت کرتی ہیں۔

اسی لئے آگے یہ فرمایا کہ اللہ کے ہمسر نہ ٹھہراؤ جب کہ تم جانتے ہو۔

یہ اسلوب ان گنت مواقع پر استعمال ہوا ہے اور یہ حسنِ نظام، حکمت اور فکر و تدبیر کی سلامتی کی کلید ہے۔

۱۸۔ دو متصل کلاموں کو جدا کر دینا بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کلام کے دو متصل اجزا کے مابین کوئی ایسا جزو کلام رکھ دیا جاتا ہے جو جملہ معترضہ سے الگ نوعیت کا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر موصوف مفعول مقدم ہو اور اس کی صفت طویل ہو تو اس غرض سے کہ فاعل اور فعل کے درمیان زیادہ بُعد نہ ہو جائے، فاعل کو موصوف اور صفت کے مابین لا داخل کرتے ہیں، بشرطیکہ مفعول کو تقدیم کے کسی سبب کی بنا پر پہلے لانا ضروری ہے۔ اس اسلوب کی مثال قرآن مجید کی یہ آیت ہے۔

يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا (الانعام ۱۵۸)

جس دن تیرے رب کی کچھ نشانیاں ظاہر ہو جائیں گی تو اس جان کو اس کا ایمان نفع نہ دے گا جو پہلے سے ایمان نہ لا چکی ہوگی یا اس نے اپنے ایمان میں بھلے کام نہ کئے ہوں گے۔

اس آیت میں نفساً مفعول ہے جس کی صفت 'لم تکن ۔۔۔ الخ' ہے موصوف اور صفت کے درمیان ینفع کے فاعل ایمانہا کو داخل کر دیا گیا ہے۔

۱۹۔ تکرار کبھی کبھی ایک ایسے لفظ کو جو اپنے اصل متعلق جملے سے کسی سبب سے دور ہو جاتا ہے دہرایا جاتا ہے۔ اس کی مثال اس آیت میں موجود ہے۔

فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُومَ وَأَنْتُمْ حِينَئِذٍ تَنْظُرُونَ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلَٰكِنْ لَا تُبْصِرُونَ فَلَوْلَا إِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ تَرْجِعُونَهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (الواقعہ ۸۳-۸۷)

جب جان گلے تک آ پہنچتی ہے اور تم اس وقت دیکھ رہے ہوتے ہو۔ اور ہم تو مرنے والے سے تمہاری نسبت کچھ زیادہ ہی قریب ہوتے ہیں مگر تم دیکھ نہیں سکتے۔ پھر اگر تم عاجز نہیں ہو تو جان کو لوٹا کیوں نہیں دیتے اگر تم سچے ہو۔

یہاں آیت ۸۳ میں 'لولا' کے الفاظ اپنے متعلق یعنی آیت ۸۷ سے دوسرے فقرات کے داخل ہو جانے کی وجہ سے دوری پر واقع ہیں، اس لئے ان کو دوبارہ لایا گیا ہے۔

لفظی تکرار سے ملتی جلتی ایک مثال سورہ مائدہ میں بھی ہے۔ فرمایا۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِيثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِآيَاتِ اللَّهِ وَقَتْلِهِمُ الْأَنْبِيَاءَ

چنانچہ ان کے عہد کو توڑنے، اللہ کی آیت کا انکار کرنے، انبیاء کو ناحق قتل کرنے اور یہ کہنے

بِغَيْرِ حَقٍّ وَقَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا غُلْفٌ بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا (نساء ۱۵۵-۱۵۶)

کے سبب سے کہ ہمارے دل محفوظ ہیں، اگرچہ خدا نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر مہر کر دی ہے اور یہ بہت کم ایمان لاتے ہیں، اور ان کے کفر کرنے اور مریم پر بہت بڑا بہتان لگانے کے سبب سے ہم نے ان پر لعنت کر دی۔

اس مثال میں حذف بھی موجود ہے چنانچہ نقضھم میثاقھم کے بعد لعنت کا ذکر حذف کیا گیا ہے۔ لیکن اس کی دلیل فلا یؤمنون الا قلیلا کے الفاظ سے واضح ہو رہی ہے۔ کبھی کبھی سلسلہ کلام میں کوئی نکرہ لفظ استعمال ہو جاتا ہے مگر سیاق کلام دلیل ہوتا ہے کہ اس سے کسی خاص کو مراد لیا گیا ہے مثلاً 'کل' کا لفظ نکرہ ہے لیکن حسب ذیل آیات میں اس کو خاص کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے اور اس سے وہ شخصیات مراد لی گئی ہیں جن کا ذکر آیت میں ہوا ہے۔

وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ كُلًّا هَدَيْنَا ... وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ وَإِلْيَاسَ كُلٌّ مِنَ الصَّالِحِينَ وَإِسْمَاعِيلَ وَالْيَسَعَ وَيُونُسَ وَلُوطًا وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ

ہم نے اسے اسحاق اور یعقوب عطا کئے، ان سب کو ہم نے ہدایت دی۔ اور زکریا، یحییٰ، عیسیٰ اور الیاس، یہ سب صالحین میں سے ہیں۔ اور اسماعیل، الیسع، یونس اور لوط، ان سب کو ہم نے جہان والوں پر فضیلت دی۔

۲۱۔ واؤ بطور حرف عطف حرف عطف کے طور پر واؤ کے استعمال کے کئی پہلو ہیں مثلاً یہ واؤ بیان اور وضاحت کے لئے آتی ہے جیسا کہ سورہ توبہ کی آیت ۸۶

وَإِذَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ أَنْ آمِنُوا بِاللَّهِ وَجَاهِدُوا مَعَ رَسُولِهِ اسْتَأْذَنَكَ أُولُو الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوا ذَرْنَا نَكُنْ مَعَ الْقَاعِدِينَ

جب یہ حکم نازل کیا جاتا ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ہمراہ جہاد کرو تو ان میں سے صاحب مقدرت لوگ تجھ سے اجازت مانگتے ہیں اور کہتے ہیں ہمیں چھوڑ دیجئے، ہم بیٹھ رہنے والوں میں سے ہوں گے۔

جاھدوا مع رسولہ کے الفاظ آمنوا کی وضاحت کیلئے ہے۔ اسی طرح قالوا ذرنا بھی استاذنک کی وضاحت کیلئے ہے۔ واؤ تفسیر کے بیان کے علاوہ بھی آتی ہے مثلاً آیت ذیل میں۔

رَضُوْا بِاَنْ یَّکُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا یَفْقَهُوْنَ (توبہ ۸۷)

انہوں نے یہ پسند کیا کہ پیچھے رہنے والیوں کے ساتھ ہوں چنانچہ ان کے دلوں پر مہر کردی گئی ہے اور وہ سمجھتے نہیں۔

۲۲- فعل اور اس کے صلہ میں اختلاف کبھی کبھی فعل کے ساتھ ایک ایسا صلہ استعمال ہوجاتا ہے جس کی اس فعل کے ساتھ مناسبت نہیں ہوتی۔ اس صورت میں وہ صلہ کسی ایسے فعل کے لئے آتا ہے جو اس سے مناسبت رکھتا ہے لیکن فقرے میں مضمر ہوتا ہے۔ مثلاً ہم بولتے ہیں۔ "قُمْتُ اِلَیْهِ" حالانکہ "الیٰ" کے صلہ کی مناسبت "قام" کے ساتھ نہیں ہے۔ یہ فقرہ اپنے محذوف فعل کے ساتھ یوں پورا ہوتا ہے قُمْتُ وَمَشَیْتُ اِلَیْهِ۔ اسی طرح دخلت علیه اصل میں یوں ہوگا دخلت بیته وقمت علیه۔ اسی طرح عربی میں کہا جاتا ہے سل الھم عنك یہ جملہ اصل میں یوں ہے سل نفسك وادفع الھم عنك۔

بقیہ توضیحات صفحہ ۲ سے آگے

اور اس کے گوشے بے شمار ہیں۔ ہم ان تمام جماعتوں اور اداروں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جو کسی بھی گوشے میں دین کی خدمت کا کام کر رہے ہیں اور انشاءاللہ ان کے ساتھ ہمارا رویہ تعاون و تائید ہی کا ہوگا۔ اپنے فہم و فکر کے مطابق ہم بھی دین کی خدمت کی ایک ادنیٰ کوشش کے لئے جمع ہو رہے ہیں اور یہ توقع کرنے میں اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتے ہیں کہ دین کے تمام خادم ہمیں اپنے رفیق راہ ہی گردانیں گے۔ اس تصریح کی ضرورت اس لئے بھی ہے کہ ہم واقعتہً تمام دینی عناصر خصوصاً علمائے کرام کے تعاون کی شدید احتیاج محسوس کرتے ہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

(ڈاکٹر اقبال)

مطالعہ حدیث

مولانا عبدالغفار حسن

جہاد کی اعلیٰ قسم

عن ابی سعید الخدری ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان من اعظم الجہاد کلمۃ عدل عند سلطان جائر (کتاب الفتن باب افضل الجہاد)

ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظالم اقتدار کے سامنے انصاف کی بات کہنا جہاد کی عظیم تر انواع میں سے ہے۔

الفاظ حدیث اور راویان حدیث حدیث کے یہ الفاظ جامع ترمذی میں بیان ہوئے ہیں۔ یہی حدیث معمولی سی الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ حضرت ابوامامہ سے بھی مروی ہے۔ یہ حدیث ابوداؤد، مسند احمد، ابن ماجہ، طبرانی کبیر اور بیہقی میں مذکور ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ "من اعظم الجہاد" کی جگہ "افضل الجہاد" اور "کلمۃ عدل" کی جگہ "کلمۃ حق" بیان ہوا ہے۔

یہی حدیث طارق بن شہاب صحابی سے بھی مروی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے دریافت کیا، جب کہ وہ اپنا پاؤں رکاب میں رکھ چکا تھا، کونسا جہاد افضل ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: "کلمۃ حق عند سلطان جائر"۔ حدیث کے یہی الفاظ زیادہ مشہور اور زبان زد ہیں اور سند کے لحاظ سے بھی یہی زیادہ معتبر ہیں۔

اسنادی حیثیت امام ترمذی نے اس حدیث کو "حسن غریب" قرار دیا ہے (یعنی اس خاص سند کی بنا پر جو کتاب میں مذکور ہے)۔ نسائی اور ابن ماجہ کی روایت کو مشہور محدث امام منذری نے صحیح قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ ترمذی کی روایت میں ایک راوی عطیہ العوفی ناقابل اعتماد ہے۔

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ شارح ترمذی لکھتے ہیں کہ ابوامامہؓ اور طارق بن شہابؓ کی روایات سے ترمذی کی روایت کی تائید ہوتی ہے۔ (یعنی مجموعی طور پر یہ سب روایات ہم

معنی اور قابلِ اعتماد ہیں۔ (تحفۃ الاحوذی ج ۳۔ صفحہ ۲۱)

الفاظ حدیث کی تشریح

(۱) جہاد کی تشریح امام راغب نے اس طرح کی ہے: استفراغ الوسع فی مدافعۃ العدو یعنی دشمن کے روکنے میں اپنی توانائی کو صرف کرنا۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ یہ جہاد یا مجاہدہ تین قسم کا ہوتا ہے (الف) ظاہری دشمن سے مقابلہ (ب) شیطان سے کشمکش (ج) اپنے نفس سے زور آزمائی، لیکن لسان العرب میں جہاد کی تعریف زیادہ وسیع اور صحیح بیان ہوئی ہے: الجهاد محاربة الاعداء وهو المبالغة واستفراغ ما فی الوسع والطاقة من قول و فعل

۲. کلمۃ کلمہ سے یہاں ہر وہ قول یا تحریر مراد ہے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر مشتمل ہو۔

۳ - حق۔ قرآن حکیم میں یہ کلمہ متعدد معانی میں استعمال ہوا ہے اس حدیث میں "حق" سے مراد ہر وہ عقیدہ یا عمل ہے جو شرعاً ثابت ہے، اکثر اس کے بالمقابل باطل ______ کا لفظ بولا جاتا ہے۔

۴۔ سلطان، اس لفظ کے اصلی معنی غلبہ و اقتدار کے ہیں، لیکن کبھی یہ صاحب اقتدار فرد کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ ملک کے حاکم سے لے کر گھر کے قوام اور مختلف انجمنوں اور تنظیموں کے سربراہ اپنے غلبہ و تسلط کے لحاظ سے اس لفظ کے مصداق ہو سکتے ہیں۔ لیکن زیادہ تر اطلاق ان لوگوں پر ہوتا چلا جن کے ہاتھوں میں سیاسی قوت ہوتی ہے۔ کبھی عوام بھی اثر و غلبہ کی بنا پر سلطانی شکوہ و دبدبہ حاصل کر لیتے ہیں، ان کی کج روی پر ٹوکنا بھی اس حدیث کی بنا پر افضل جہاد شمار ہوگا۔

۵۔ جائر۔ عربی میں "جور" کے معنی کج روی کے ہیں۔ اب یہی کج روی احکام اور قوانین کے اجراء میں کی جائے تو ظلم کے ہم معنی قرار پاتی ہے اسی لئے جائر کا لفظ ظالم کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔

ترمذی کی روایت میں "حق" کی جگہ عدل کا لفظ آیا ہے۔ عدل کا لفظ عربی میں جور کے بالمقابل بولا جاتا ہے۔

مطلب حدیث

اس حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ ہر وہ شخص یا گروہ جس کو جہاں بھی اثر و رسوخ اور غلبہ و اقتدار حاصل ہے وہاں کلمۂ حق کا اظہار افضل جہاد

ہے۔ مشہور محدث خطابیؒ نے اس کے افضل جہاد ہونے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ مسلمان جب دشمن سے مقابلہ کرتا ہے تو وہاں امید و بیم دونوں قسم کی کیفیت پائی جاتی ہے، اگر فتح ہوئی تو غنیمت حاصل ہوگی اور اگر قتل ہوا تو شہادت کا درجہ ملے گا۔ لیکن اس حدیث میں جس جہاد کا ذکر ہے، اس میں جان و مال کی بربادی یا نقصان کا پہلو زیادہ غالب ہے یہاں غنیمت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، بلکہ جان کی سلامتی ہی خطرے میں پڑ جاتی ہے

ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ کسی ملک کا حاکم جب ظلم و جور کرنے پر تل جاتا ہے تو ملک کی پوری آبادی اس کا نشانہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی ظاہر ہے کہ جنگ میں چند کافروں کو قتل کر دینے سے پورے ملک کی جم غفیر آبادی کو ظلم و ستم سے بچانا بڑا جہاد ہوگا، ایک قابل غور پہلو یہ بھی ہے کہ کلمۂ حق کا اظہار و اعلان کا فریضہ زیادہ تر مسلمان حکام کے مقابلہ میں پیش آتا ہے اور جہاد بصورت قتال کا معاملہ کافروں سے ہوتا ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ غیروں سے لڑنے میں شہرت اور نام و نمود کا موقع بھی مل سکتا ہے۔ لیکن اپنے مسلمان بھائیوں کے سامنے کلمۂ حق کے اظہار کا صلہ سازش، غداری اور بغاوت کے الزام کے سوا اور کیا مل سکتا ہے۔ ہاں اگر عوام ہم خیال ہوں تو اس قسم کی تنقید کی حوصلہ افزائی "زندہ باد" کے نعروں سے ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر عوام اور حکام دونوں پر یا عوام پر اس انکار منکر کی زد پڑتی ہو تو پھر ہر طرف سے مخالفت اور ایذاء رسانی بلکہ ہلاکت و بربادی کا پہلو غالب رہتا ہے۔

اس حدیث سے تنقید اور امر بالمعروف، نہی عن المنکر کے چند اصول و آداب معلوم ہوتے ہیں۔

۱۔ تنقید میں تملق، چاپلوسی اور خوشامدانہ انداز کے بجائے جرأت مندانہ اسلوب اختیار کرنا چاہئے۔ لفظ جہاد جرأت و شجاعت کو ظاہر کرتا ہے۔

۲۔ اس روک ٹوک میں صرف اخلاص اور اللہ تعالیٰ کی رضا طلبی کا جذبہ کارفرما ہونا چاہئے۔ خلق انتقام یا نام و نمود کی خواہش اس ساری کوشش کو بے اثر بنا دے گی۔ قرآن و سنت میں جہاد کا لفظ جب بغیر کسی قید کے بولا جاتا ہے تو اس سے بھی جہاد فی سبیل اللہ ہی مراد ہوتا ہے۔ یعنی ایسی کوشش جس کا مقصد رضائے الٰہی کا حصول

کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

۳۔ اسی معروف کی تبلیغ ہونی چاہئے جس کا معروف ہونا شرعاً ثابت ہے اسیطرح صرف ایسے منکر پر تنقید ضروری ہے جس کا منکر ہونا قرآن و سنت سے واضح ہے۔ حدیث میں لفظ "حق" سے بظاہر یہی مفہوم معلوم ہوتا ہے خاص ذوق یا خاص ماحول کی بنا پر معروف و منکر کی تعیین درست نہیں۔

۴۔ "جائر" کا لفظ بتلاتا ہے کہ حاکم یا سربراہ جس معاملہ میں کج روی اختیار کرتا ہے صرف اسی پر تنقید و انکار ہونا چاہئے۔ ہاں اگر اس کی پوری زندگی سراپا ظلم و جور بنی ہوئی ہے تو پھر اس کے تمام معاملات تنقید کا ہدف بنیں گے۔ پہلی صورت میں معروف میں تعاون اور منکر میں عدم تعاون ضروری ہے جیسا کہ ارشاد ہے تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔

۵۔ اس حدیث سے مسلم معاشرہ کی خصوصیت یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس میں کچھ زبانیں ایسی ہونی چاہئیں جو خلافِ حق باتوں پر بغیر کسی مداہنت کے اپنا فرض ادا کرنے پر ہر وقت آمادہ رہیں اور مسلم حکام اور سربراہوں کا فرض ہے کہ وہ اس تنقید کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہوئے اصلاح حال کی کوشش کریں۔

خلافت راشدہ میں اس قسم کی آزاد، پاکیزہ فضا قائم تھی۔ خلفاء مخلصانہ تنقید کی حوصلہ افزائی بلکہ اس کی تلقین کرتے تھے۔ اور رعیت میں سے جس کو بھی محسوس ہوتا کہ خلیفہ غلطی پر ہے تو فوراً اس پر ٹوک دیتا۔ حضرت ابوبکرؓ کا مشہور خطبہ ہے جس میں وہ فرماتے ہیں ان زغت فقوموني اگر میں کج روی کروں تو مجھے سیدھا کر دو۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ سے بھی تنقید کی حوصلہ افزائی کا سبق ملتا ہے صحابہ کرام نے جب کبھی یہ محسوس کیا کہ آپ کا عمل آپ کے ارشاد سے مطابقت نہیں رکھتا تو فوراً اس خلش کا اظہار کر دیا اور آپ نے بغیر کسی ملال و ناگواری کے بروقت ان کی غلط فہمی رفع فرما دی۔ چند واقعات ملاحظہ ہوں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے ابراہیمؓ کا آخری وقت آن پہنچا اور سانس اکھڑنے لگا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس موقع پر عبدالرحمٰن بن عوف نے دریافت

کیا "وانت یا رسول اللہ" لوگ روتے ہیں اور آپ بھی روتے ہیں، یعنی آپ تو ہمیں بے صبری سے منع فرماتے ہیں اور خود آپ کی آنکھیں اشک بار ہیں۔ جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلط فہمی کو ان الفاظ میں رفع فرمایا۔ ان العین تدمع والقلب یحزن ولا نقول الا ما یرضی ربنا بلاشبہ آنکھ اشک بار ہے، دل رنجیدہ ہے لیکن زبان سے وہی نکلتا ہے جس سے ہمارا رب راضی ہے۔ بخاری مسلم، مشکوٰۃ صفحہ ۱۵۱

(۲) حضرت اسامہ بن زید سے روایت ہے کہ حضرت زینبؓ کے صاحبزادے (یعنی اپنے نواسے) کے پاس پہنچے، اس وقت ان پر نزع کی حالت طاری تھی، یہ منظر دیکھ کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے، اس موقع پر سعد بن عبادہ نے پوچھا یا رسول اللہ "ما ہذا" اے اللہ کے رسول یہ کیا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا ھذہ رحمۃ جعلھا اللہ فی قلوب عبادہ یہ آنسو اس رحمت و شفقت کی بنا پر ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھی ہوتی ہے۔ بخاری، مسلم، مشکوٰۃ صفحہ ۱۵۱

(۳) حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صوم وصال (یعنی بغیر افطار کئے پے در پے روزے رکھنے) سے منع فرمایا ہے ایک آدمی نے سوال کیا آپ خود تو روزہ وصال رکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا تم میں سے کون میرے جیسا ہے؟ میں رات گزارتا ہوں اس حال میں کہ میرا رب مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔ بخاری مسلم مشکوٰۃ صفحہ ۱

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی طرز عمل تھا جس کا عکس خلفائے راشدین کے دور میں ملتا ہے خصوصاً حضرت عمرؓ کے دور میں اس کی درخشاں مثالیں ملتی ہیں۔ اسی طرح حضرت معاویہؓ کے اپنے دور حکومت میں بھی انتہائی وسعت قلبی سے کام لیتے ہوئے تیز و تند تنقید کو نہ صرف برداشت کیا بلکہ حوصلہ افزائی فرمائی۔

حضرت عمرؓ کی وسعت قلبی

(۱) دور فاروقی کا واقعہ ہے مسلمانوں کو غنیمت میں چادریں حاصل ہوئیں۔ حضرت عمرؓ نے یہ چادریں انصاف کے ساتھ مسلمانوں میں تقسیم کر دیں، ان کو اور ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ کو ایک ایک چادر ملی جیسا کہ عام مسلمانوں کے حصے میں آئی تھیں۔ حضرت عمرؓ بلند قامت تھے۔ ان کو ایک چادر کافی نہیں ہو سکتی تھی۔ ان کے صاحبزادے عبداللہ نے اپنی چادر بھی ان کے حوالے کر دی تاکہ ان کا ایسا جامہ تیار ہو سکے جو ان کے لئے کافی ہو اس

لباس کو پہننے کے بعد خطبہ دینے کے لئے تشریف لائے۔ حمد و ثنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام کے بعد انھوں نے فرمایا: "اے لوگو! سنو اور اطاعت کرو۔" اس موقع پر جلیل القدر صحابی سلمان فارسیؓ کھڑے ہو گئے اور انھوں نے کہا "ہم نہ سنیں گے نہ مانیں گے۔" حضرت عمرؓ نے پوچھا "کیوں؟" حضرت سلمانؓ نے فرمایا "اتنا کپڑا آپ کو کہاں سے مل گیا؟ آپ کو ایک ہی چادر ملی تھی۔ آپ جیسے بلند قد و قامت والے انسان کو کیسے کافی ہو سکتی ہے۔" انھوں نے فرمایا "صبر سے کام لو!" اور آواز دی یا عبداللہ! لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ پھر دوبارہ آپ نے فرمایا یا عبداللہ بن عمرؓ تو وہ فوراً بول اٹھے "لبیک یا امیر المومنین! مسلمانوں کے امیر میں حاضر ہوں" حضرت عمرؓ نے فرمایا "میں تمہیں خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ جس چادر کا میں نے تہمد بنایا ہے وہ تمہاری نہیں ہے۔" حضرت عبداللہ نے فرمایا "جی ہاں" حضرت سلمان نے کہا "اب حکم دیجئے ہم سنیں گے اور مانیں گے۔"[1]

ممکن ہے یہاں یہ کہا جائے۔ حضرت عمرؓ کا تو بہت اونچا مقام تھا۔ اسی حضرت سلمان بھی بڑی شان کے صحابی تھے۔ ان دونوں حضرات سے اسی اعلیٰ کردار کی توقع تھی۔ اس لئے کوئی اور مثال سامنے آنی چاہئے۔

حضرت معاویہؓ اور تنقید کی حوصلہ افزائی

ایک دن حضرت معاویہؓ منبر پر کھڑے ہوئے۔ اس سے قبل انھوں نے چند مسلمانوں کے مقرر وظائف دینے بند کر دیئے تھے۔ انھوں نے خطبے کے آغاز میں فرمایا "سنو اور مانو" فوراً اسی وقت حضرت ابو مسلم خولانی محاسبے کیلئے کھڑے ہو گئے۔ مذکورہ بالا وظائف کی بندش پر تنقید کرتے ہوئے انھوں نے کہا "نہ ہم سنیں گے اور نہ مانیں گے۔" حضرت معاویہؓ نے فرمایا "ابو مسلم! یہ کیوں؟" ابو مسلم نے جواب دیا "اے معاویہ! تمہیں وظائف روکنے کا کیا حق تھا؟ یہ مال نہ تمہاری محنت سے حاصل ہوا ہے اور نہ تمہارے باپ کی مشقت کا اس میں دخل ہے اور نہ تمہاری ماں نے جمع کیا ہے۔" یہ بات سن کر حضرت معاویہ غضبناک ہو گئے۔ لیکن کچھ بولے بغیر منبر سے اتر آئے۔ صرف اتنا کہا اپنی اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو۔ کچھ دیر کے لئے آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد غسل کر کے تشریف لائے اور فرمایا ابو مسلم نے ایسی بات کی جس نے میرا غصہ بھڑکا دیا تھا۔ میں نے رسول اللہ

[1] العدالۃ الاجتماعیہ السید قطب ۷۶

صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ غصہ شیطان کی طرف سے ہے شیطان کی پیدائش آگ سے ہوئی ہے۔ اور آگ کو صرف پانی سے بجھایا جا سکتا ہے اس لئے جب کوئی غیظ و غضب میں مبتلا ہو تو اسے غسل کر لینا چاہئے اسی لئے میں غسل کر کے آ رہا ہوں۔ صحیح بات یہ ہے کہ ابو مسلم نے جو کچھ کہا وہ اپنی جگہ پر درست ہے۔ یہ مال نہ میری محنت سے حاصل ہوا ہے اور نہ میرے باپ کی کوشش سے۔ آکر اپنے وظائف لے جاؤ۔[1]

ممکن ہے یہاں یہ سوال اٹھایا جائے کہ حضرت معاویہؓ کو حلم و بردباری میں بلند مقام رکھتے ہیں اور ابو مسلم کا درجہ بھی بہت اچھا ہے جبکہ وہ دور تھا جب کہ حاکم اور رعایا دونوں پر نیکی غالب تھی۔

اب مناسب یہ ہے کہ اس دور کے بعد کی مثالیں پیش کی جائیں جن سے یہ واضح ہو جائے گا کہ تاریخ کے ہر دور میں ایسے اللہ کے بندے رہے ہیں جنہوں نے بڑے بڑے اصحاب سطوت حکام اور خلفاء کے سامنے حق بات کہنے سے گریز نہیں کیا۔

ذیل میں مختلف ادوار کے واقعات پیش کئے جاتے ہیں جو حقیقت میں زیر مطالعہ حدیث کی عملی تفسیر ہیں اس واقعاتی تشریح کا اکثر حصہ شام کے ممتاز عالم عبدالعزیز البدری کی ایک اہم تصنیف "الاسلام بین العلماء والحکام" سے ماخوذ ہے۔ ان کے مطالعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسلامی تاریخ کے ہر دور میں اللہ کے نیک بندوں نے کس طرح اپنی جانوں کو خطرے میں ڈال کر اس حدیث پر عمل کیا ہے۔ اس واقعاتی تشریح کے بعد دعوت و اصلاح کے ان اصول و آداب کا ذکر کیا جائے گا۔ جو قرآن و سنت اور سلف صالحین کے اعلیٰ کردار سے معلوم ہوتا ہے۔

(باقی آئندہ)

[1] احیاء العلوم الغزالی ص ، جلد ۳

اجتماعیت جدیدہ کی خصوصیات

کے موضوع پر مولانا عبدالغفار حسن کی تقریر

جو اجتماع رحیم یارخاں میں کی گئی تھی

آئندہ شمارے میں شائع ہوگی۔

مجلس معارف القرآن

دارالعلوم دیوبند

مکرمی و محترمی زادت الطافکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج گرامی؟

یہ اطلاع یقیناً باعث مسرت ہوگی کہ برصغیر کی مرکزی درسگاہ دارالعلوم دیوبند کے زیر اہتمام کچھ دنوں قبل مجلس معارف القرآن کے نام سے جو تحقیقی و تصنیفی ادارہ قائم کیا گیا تھا۔ اس کی کارگزاری بحمداللہ چند وقیع تصانیف کی شکل میں سامنے آئی ہے۔ ابھی مجلس کی متعدد کتابیں پریس میں ہیں جو انگریزی، عربی، اور اردو تینوں زبانوں پر مشتمل ہیں۔ تاحال مجلس کی حسب ذیل چار مطبوعات شائع ہو چکی ہیں

۱۔ **تفسیر المعوذتین** (عربی) حضرت اقدس مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند تفسیری نکات پر مشتمل وقیع تحقیق ہے۔

۲۔ **حجۃ الاسلام** مکمل متن تشریح تسہیل حضرت اقدس مولانا نانوتوی کی مشہور زمانہ تصنیف "حجۃ الاسلام" کو جو اپنے متن کے بغیر اب تک طبع ہوتی رہی ہے اور تم صرف ایکبار طبع ہو کر نایاب ہو گیا تھا الحمدللہ کہ مجلس سے پہلی بار یہ موقر کتاب متن سمیت مکمل و مشرح طبع ہوئی ہے

۳۔ **دینی دعوت کے قرآنی اصول** حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہٗ کی یہ گرانقدر تالیف مکمل صورت میں پہلی بار مجلس سے شائع ہوئی ہے اور فی زمانہ اس کتاب کی اہمیت و ضرورت ارباب علم وعمل پر مخفی نہیں ہے۔ آج سے کافی عرصہ قبل یہ بصورت مقالہ آج کے مقابلے میں نامکمل شائع ہوا تھا جس پر بعض اہل نظر نے اس رائے کا اظہار فرمایا تھا کہ یہ مضمون دور حاضر میں دعوت دین کے باب میں ایک نہایت اہم رہنمائی ہے جسے مختلف زبانوں میں شائع ہونا چاہیے ما لحمدللہ "مجلس" سے اس کتاب کا مکمل ترجمہ "عربی" اور "انگریزی" میں بھی ہو چکا ہے جو جلد ہی منظر عام پر انشاء اللہ آجائے گا۔

۴۔ **قرآن محکم** مصنف محترم نے اس کتاب میں قرآن کریم کی کسی آیت کے منسوخ نہ ہونے کے اہم اور نازک مسئلہ پر قلم اٹھایا ہے۔ تحریر کی گیرائی اور گہرائی کا اندازہ کتاب کے مطالعہ ہی سے ہو سکتا ہے۔

محمد سالم قاسمی۔ معتمد عمومی مجلس معارف القرآن دارالعلوم دیوبند

مقالات

(مولوی محمد ممتاز حسین صاحب مرحوم)

پردہ اور قرآن مجید

ذیل کا مضمون ہمیں مولانا عبدالغفار حسن صاحب کی وساطت سے ملا ہے۔ مولوی محمد ممتاز حسین صاحب مرحوم نے آج سے تیس سال قبل لکھا تھا۔ مولوی صاحب موصوف اس گروہ کے اہم لوگوں میں سے تھے جو ہدایت کے لئے قرآن مجید ہی پر کفایت کا مدعی اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حجیت کا منکر ہے۔ چنانچہ اس مضمون میں بھی سارا استدلال صرف قرآن مجید کی آیات سے کیا گیا ہے۔ ہاں بہرموضوع متعلقہ پہ یہ ایک اچھی تحریر ہے اور اس سے یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ قلب ونظر میں کجی نہ ہو تو براہ راست قرآن حکیم سے جو فکر مستنبط ہوتا ہے وہ اس تفصیلی نظام دین سے کسی درجے میں بھی متصادم نہیں ہے جو احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تیار ہوتا ہے اور امت میں تواتر سے چلا آرہا ہے۔ ! (مدیر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بخدمت جمیع اہل اسلام بعد السلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔ نہایت ادب اور تہذیب سے التماس ہے کہ آج کل بے پردگی کی طرف نہایت شوق ہے اور اسی کو باعث ترقی و علوی مرتبت جانتے ہیں۔ حالانکہ اس کے نتائج زہریلے باعث بے غیرتی و بے حرمتی جابجا ابھی سے ظاہر ہو رہے ہیں۔ تاہم ہماری آنکھیں بند ہیں۔ مزید براں یہ کہا جاتا ہے کہ پردہ قرآن مجید میں نہیں ہے۔ مختصراً قرآن مجید سے احکام پردہ حوالہ قلم ہیں۔ وما علینا الا البلاغ۔

(۱) جناب باری جل جلالہٗ وعم اسمہٗ نے جناب محمد رسول اللہ خاتم النبیین رحمۃ للعالمین سلام علیہ کی ازواج مطہرات کے بارہ میں فرمایا ہے۔ ازواجہ امھاتہم (احزاب) باوجود مائیں فرمانے کے ارشاد ہوتا ہے۔

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ الخ (احزاب)	(ترجمہ) اور جب کوئی ضروری چیز مانگنے کی حاجت پڑے تم کو ان بیویوں سے ہمیشہ مانگا کرو ان سے ان کے پردے سے باہر ٹھہر کر۔ یہ خالص ہماری پردہ بالکل پاک رکھنے والا ہے تمہارے دلوں کو۔

اور اُن کے دلوں کو بھی کیونکہ ہرگز نہیں جائز تم کو یہ کہ کسی طرح کا کوئی رنج پہنچاؤ تم رسول اللہ کو۔

جناب باری تعالیٰ نے مائیں فرما کر حکم پردہ کا فرمایا ہے۔ ہر مومن قرآن حکیم کو اسی قدر پردہ کے لئے کافی سے بہت زیادہ ہے لیکن جا بجا قرآن حمید میں پردہ کے لئے ارشادات ہیں، اس واسطے چند آیات اور بھی عرض ہیں۔

(۳) فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۝

ترجمہ: ہرگز غیر محرموں کے ساتھ کبھی بھی ملاپ نہ کرو اپنی بول چال میں کیونکہ بری امید تم سے رکھے گا وہ شخص جس کے دل میں برا خیال ہوگا۔ بلکہ بولا کرو تم بالکل ضروری بات جو سراسر پاکیزہ پسندیدہ ہو۔

(۴) وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ (احزاب) ۝

(ترجمہ) اور ہمیشہ ٹھہری رہا کرو اپنے گھروں میں اور غیر محرموں کے سامنے اپنی زیب زینت بالکل کبھی نہیں ظاہر کرو۔ جیسا کہ اس سے پہلے قرآن کریم سے بے خبری کے زمانہ میں تم سے ہو گئے ہیں۔

انصاف سے دیکھا جاوے تو بے پردگی بات چیت آمنے سامنے بے حجابانہ نشست و برخاست جس سے ربط و ضبط ہو کر در الخلیہ ملنے میں نہایت درجہ بد سے بدتر صورتیں شہرت پکڑ سکتی ہیں، جائز نہیں۔ تھوڑے سے حوالہ جات قرآن عظیم سے اور بھی پردہ کے تائید میں درج ہوتے ہیں۔

(۵) يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝

(ترجمہ) اے ہمارے نبی رسول یہ ہمارا حکم سنا دیا کرو اپنی بیویوں کو اور بیٹیوں کو بلکہ باقی تمام ایماندار عورتوں کو بھی کہ گھر سے باہر جاتے وقت اوڑھ لیا کریں اپنے تمام بدن پر بڑی چادریں یا برقعے (اپنے سر سے کل بدن بالکل ڈھانکا جاوے) یہ ہماری پردہ بہت ہی فائدہ دیوے گا کہ پہچانی جاویں گی دینداری و پرہیزگاری انکی پس کوئی ان سے چھیڑ چھاڑ نہ کرے گا۔ باہر جانے کی ان کو اسلئے رخصت دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ عام تمام لوگوں پر ہمیشہ ہر طرح تخفیف و آسانی کرتا ہے اور اسمیں راضی بھی ہوتا ہے۔ اسی آیت میں تمام عورات مومنین مخاطب ہیں۔ اور ضرورت میں باہر نکلنے کے واسطے اللہ تعالیٰ نے خود

پردہ بتلا دیا ہے۔ الا یعلم من خلق ناظر فطرت خوب ہی عالم الغیب ہے۔ انصاف سے غور فرمائیے گا۔ سفر میں پردہ والے کیا کرتے ہیں۔ وہ کافی ہے۔ بڑی بڑی چادریں برقعہ اوڑھے ہوئے جاتی ہیں۔

(۶) قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ (سورہ نور) ۝

(ترجمہ) یہ حکم سنا دے مومنین کو کہ بند رکھیں اپنی آنکھیں بے محل بے جا دیکھنے سے اور بالکل نگاہ رکھیں شرمگاہوں اپنی کو یہ امر ہر طرح پاک رکھنے والا ہوگا ان کو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نہایت ہی خبردار آگاہ ہوتا ہے ان کی تمام حرکات و سکنات پر۔

یہ بھی پردہ کے لئے نہایت تاکید ثابت کرتی ہے۔ چہ جائیکہ آزادانہ بے حجابانہ یکجائی ہووے۔ پردہ کی مومنین نے تو تعمیل کی۔ اس لئے غیر مومنین عورتیں جو پردہ میں نہ ہوں اُن کو بھی مومنین نہ دیکھیں۔ نیچی نظریں کر لیا کریں۔ یہ پاکی ہے اُن کے لئے۔

(۷) وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوْرَاتِ النِّسَاءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا

(ترجمہ) ایمان والی عورتوں کو بھی سنا دے۔ کہ بے محل و بے جا دیکھنے سے اپنی آنکھیں بند رکھیں۔ اور اپنی شرمگاہوں کو بالکل نگاہ رکھیں۔ اور حتی المقدور بے ضرورت نہ ظاہر ہونے دیں اپنا کل بدن وغیرہ وغیرہ آرائش کی اشیاء مگر جو بے اختیاری و مضطری کی حالت میں ظاہر ہو جائے اس زینت سے خصوصاً ضرور ہی ڈالا کریں بڑی چادریں اپنے گریبانوں پر اپنے گھروں میں بھی بے حجابی بے خبری ہرگز نہ کریں مگر اپنے خاوندوں کے سامنے یا باپ دادوں کے سامنے یا اپنے خاوندوں کے باپ دادوں کے سامنے یا اپنے بیٹوں پوتوں اور نواسوں یا اپنے خاوند کے بیٹوں پوتوں اور نواسوں یا اپنے بھائیوں (وعلاتی واخیافی) یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں پوتوں نواسوں یا بہنوں کے بیٹوں پوتوں نواسوں یا اپنی ہم مذہب عورتوں

يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ ۚ وَتُوبُوا
إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ (سورہ نور) ع

یا اپنی لونڈیوں کے سامنے جن کی ملکیت شرعاً ہو یا اپنے ایسی بڑھے خدمتگاروں کے سامنے جن کو جماع وغیرہ کی بالکل حاجت نہ ہو اور وہ تمہارے ہم مذہب مردوں میں سے بھی ہوں۔ یا ایسے نادان بچوں کے سامنے جو عورتوں کے شرمگاہوں پر واقف نہ ہوں اور چلتے وقت اپنے پاؤں ایسے زور سے نہ رکھیں کہ لوگوں کو ان کے اندرونی زیور کی خبر ہو جاوے۔ لیکن ہمیشہ معافی مانگا کرو اللہ تعالیٰ سے تم سب کے سب اپنی بھول چوک کے وقت بھی۔ اے خالص مومنو! تاکہ تم کامیابی دارین حاصل کرو۔

اس آیۃ قرآنی سے بے حجابی غیر مردوں کے ساتھ چلنا۔ پھرنا۔ اٹھنا بیٹھنا۔ سیر و تفریح کھیل کود آزادانہ غیر مردوں کے ساتھ ذرا جائز نہیں تعمیل حکم الٰہی نہ کی جاوے وہ امر دیگر ہے۔ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ۔ اسلام میں جبر اکراہ نہیں لا اکراہ فی الدین افانت تکرہ الناس حتیٰ یکونوا مومنین۔

(۸) حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ
وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ
وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ
وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ
اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ
مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ
نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي
فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ
اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ
لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ
بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ
وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ
الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ
وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ

(ترجمہ) حرام کی گئی ہیں تم پر سب مائیں تمہاری، اور سب بیٹیاں تمہاری۔ اور سب بہنیں تمہاری۔ اور سب پھوپھیاں تمہاری اور سب خالائیں تمہاری اور بیٹیاں تمہاری ہر ایک بھائی کی اور بیٹیاں تمہاری ہر ایک بہن کی اور وہ مائیں تمہاری جنہوں نے دودھ پلایا ہو تم کو اور وہ بہنیں تمہاری جو بسبب شیر خوارگی کے ہیں اور مائیں تمہاری بیویوں کی اور وہ بیٹیاں تمہاری جن کا تم پر یہ حق ہوتا ہے کہ ان کو بھی پرورش کرو اپنی گودیوں میں مثل اپنی حقیقی بیٹیوں کے درآں حالیکہ وہ تمہاری بیویوں سے ہوں جن کے ساتھ تم صحبت کر چکے ہو لیکن اگر نہیں کی تم نے صحبت ساتھ ان کے تو کچھ گناہ نہیں ہے تم پر ان کی بیٹیوں سے نکاح کرنے میں اور حرام ہیں بیویاں مدخولہ تمہارے

الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ
سَلَفَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ
غَفُورًا رَحِيمًا ۝ (سورہ نساء)

ان بیٹیوں کی جو تمہارے پشتوں میں سے ہوں۔ اور یہ کہ نکاح میں اکٹھا کرو دو بہنوں یا ان کے مثل کو آپس میں بباعث جہالت و سفاہت جو کچھ مخالف کتاب اللہ المجید کے گذشتہ زمانہ میں سے ہو چکا ہو۔ (اس سے تم خالص توبہ کرو) کیونکہ تحقیق اللہ تعالیٰ بالکل معاف کر دیتا ہے خالص توبہ کرنے والے کو اور ہر طرح مہربان ہوتا ہے اپنے فرماں بردار بندوں پر۔" (سورہ نساء)

(۹) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنْكُمُ
الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَ
الَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ
مِنْكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ۚ
مِنْ قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ
وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُمْ
مِنَ الظَّهِيرَةِ وَمِنْ بَعْدِ
صَلَاةِ الْعِشَاءِ ۚ ثَلَاثُ
عَوْرَاتٍ لَكُمْ ۚ لَيْسَ
عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ
جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ ۚ
طَوَّافُونَ عَلَيْكُمْ
بَعْضُكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ
كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ
الْآيَاتِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ
حَكِيمٌ (سورہ نور)

(ترجمہ) اے ایمان دارو غیر لوگوں کی طرح ضرور اجازت مانگا کریں تم سے تمہاری لونڈی غلام جن کی تم مالک ہو شرعاً اور تمہارے لڑکیاں لڑکے بھی جو حد بلوغ کو نہ پہنچے ہوں اپنی اپنی تین وقتوں میں پہلے تمہاری نماز فجر سے اور جب کپڑے اپنے اتارو تم دوپہر میں اور اپنی نماز عشاء کے بعد بھی۔ یہ تین وقت تمہاری شرم گاہ ننگے ہونے کے ہیں۔ نہیں ہے تم پر اور نہ ان پر ذرہ بھر بھی گناہ ماسوا ان تینوں وقتوں کے کیونکہ وہ تم میں آتے جاتے رہتے ہیں۔ (یعنی ان کا تم پر داخل ہونا اشد ضروری ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بیان کرتا ہے تمہاری تربیت

کر مصلحت ایمانی

کے لئے تمام احکام اپنے کیونکہ اللہ تمہارے دلی خیالات کو بھی خوب ہی جانتا اور تمہارے کل امور کا پورا پورا انتظام و اہتمام کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بے پردگی کے لئے کس کس طرح منع فرما کر توجہ دلائی ہے تاکہ بدنامی کم نہ ہو وے۔ چہ جائیکہ محض آزادی تخلیہ غیر مردوں کے ساتھ قرآن مجید کے احکام الٰہی ہونے کا یقین ہونے کے بعد تو بے پردگی کا جواز ملتا نہیں۔ لا مسئلہ کا کوئی جواب نہیں ہر ایک کو اختیار ہے۔ إِنَّ هَٰذِهِ تَذْكِرَةٌ ۖ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا۔

(۱۰) وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ (سورہ نور)

(ترجمہ) اور جب پہونچ جاویں وہ لڑکیاں لڑکے تمہارے اپنی اپنی بلوغ کو پس ضرور اجازت مانگا کریں غیروں کی طرح جن کے اجازت لینے کا ذکر ان سے پہلے مذکور ہے۔ اس عظیم الشان حکم کی طرح بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے فائدہ کے لئے تمام حکم اپنے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور بڑا مدبر بھی ہے۔

● ذرا انصاف کے ساتھ قرآن کے مومنوں کو پردہ کی طرف توجہ فرمانے کی ضرورت ہے۔ پردہ ثابت ہے یا بے پردگی۔

(۱۱) وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَنْ يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ ۖ وَأَنْ يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَهُنَّ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (سورہ نور)

(ترجمہ) تمہاری بڑی بوڑھی عورتیں جو نکاح کرنے کی بالکل لیاقت نہ رکھیں پس نہیں ہے اُن پر کسی طرح کا گناہ کہ اتار رکھیں جلباب و برقعہ حجاب اپنے دراں حالیکہ ہرگز ظاہر نہ کریں اپنی آرائش وغیرہ۔ لیکن جلباب و حجاب کے تا یا برقعہ اوڑھنا ہر طرح اچھا ہے۔ اُن کے حق میں بھی کیونکہ اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا اور تمام لوگوں کے دلی خیالات کو بھی خوب جاننے والا ہے۔

● ذرا سے غور کی ضرورت ہے کہ بوڑھی عورتوں کے لئے جو قابل نکاح نہ رہیں۔ یہ حکم ہے پس جو ان عورتوں کے لئے باہر بے حجاب بے پردہ آزاد غیروں کے ساتھ جا بجا پھرنے کا حکم کس طرح ہو سکتا ہے پردہ ذکر نا امر دیگر ہے۔ یہ کہنا کہ قرآن میں پردہ کا حکم نہیں۔ یہ محض لغو اور بیجا اور افترا ہے۔
فاعتبروا یا اولی الابصار ۔

(۱۲) وَاللَّاتِي يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِنْكُمْ ۖ فَإِنْ شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّىٰ يَتَوَفَّاهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ

(ترجمہ) اور جو عورتیں کر بیٹھیں زنا کی طرف متعلقات ہی میں سے کوئی بھی قبیح حرکت دراں حالیکہ وہ تمہارے محکوم عورتوں میں سے ہوں پس گواہ طلب کرو ان کی سچائی کے چار عادل گواہ مرد جو تم میں سے ہوں۔ پھر اگر وہ گواہی دیدیں پس روک رکھو ان کو باہر جانے سے اپنے گھروں ہی میں۔ یہاں تک کہ پوری ہو جاوے عمر اُن کی طبعی موت

سَبِيلًا ۝ (سورہ نساء)

سے یا کہ بنا دیوے اللہ تعالیٰ اُن کے حق میں رستہ دائیت کا۔

● غور کرنے کی یہ بات ہے کہ ایسی بدنام مستورات کے بارہ میں بھی فامسکوھن فی البیوت ہے۔ بے پردہ آزاد گھومنے کا حکم نہیں اور خواہ مخواہ یہ کہنا کہ قرآن میں پردہ کا حکم ہی نہیں یہ زبردستی ہے۔ پردہ ذکر نا اور قرآن کی پرواہ نہ کرنا امر دیگر ہے۔ إِنَّ هَٰذِهِ تَذْكِرَةٌ ۖ فَمَنْ شَاءَ ذَكَرَهُ ۔

(۱۳) لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ ۚ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۚ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ (سورہ طلاق)

(ترجمہ) ہرگز نہ نکالو تم اُن کو اُن کے گھروں سے اور نہ وہ خود آپ ہی نکلیں اپنے گھروں سے۔ مگر یہ کہ سرزد ہو اُن سے زناکاری جو کہ بالکل ثابت ہو کیونکہ یہ عالیشان احکام اللہ تعالیٰ کے فرمائے ہوئے ہیں۔ اور جو شخص قصور کرے اللہ تعالیٰ کے حکموں میں تو تحقیق ظلم کرتا ہے اپنے نفس پر ہی۔

عورتوں کے لئے گھر سے آزاد نکلنے کا اور غیر مردوں کے ساتھ آزادانہ رہنے کا کہیں قرآن میں حکم نہیں ہے۔ اگر ہے تو ثابت کرنا چاہئے۔

(۱۴) فِيهِنَّ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ (سورہ رحمٰن)

(ترجمہ) ان تمام باغوں میں نہایت ہی پاک نظر، پاک دامن عورتیں ہوں گی۔ نہیں چھوا ہوگا اُن کو کسی آدمی نے ہی ہرگز کسی جن نے۔ پس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا ان نعمتوں میں سے انکار کر سکو گے۔

گویا وہ عورتیں عالیشان جلیل القدر یاقوت بے مثل بے نظیر مونگے کی طرح خوبصورت ہوں گی۔ پس تم اپنے پروردگار کے ان نعمتوں میں سے کن نعمتوں کا انکار کر سکو گے۔ یہ بھی قابل غور ہے۔ کہ عورت کے عدم قربت انس و جن صرف پردہ ہی میں یقیناً ہو سکتا ہے۔ غور فرمائیے۔ جنت میں بھی پردہ ہے۔ اس لئے تعریفی طور پر اس مضمون کو بیان فرمایا ہے۔

(۱۵) حُورٌ مَقْصُورَاتٌ فِي الْخِيَامِ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ

(ترجمہ) بڑی بڑی آنکھوں والی نہایت ہی بڑھ کر نورانی چہرہ والیاں نیچی نگاہ والیاں ہر طرح محفوظ مامون رہیں گی اپنے عالیشان خیموں کے اندر پردہ میں۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝ (سورۂ رحمٰن)

پس انصاف سے دیکھا جاوے۔ وہاں جنت میں بھی پردہ ہوگا۔ بعض استہزا کرنے والے کہا کرتے ہیں۔ کہ جنت میں بے پردہ پھرتی رہیں گی۔ سوائے بے دلیل قول کے اور کچھ نہیں۔ یقولون بافواھھم پس جن سے پردہ نہیں ہے وہ اللہ تعالیٰ نے ایۃ عشرہ میں ارشاد فرمادیا ہے۔

اختلاط ناجائز سے مرد کی حالت میں فرق نہیں آتا اور عورت کے حالات میں فرق آجاتا ہے۔ اس لئے جناب باری نے مرد کے ذمہ ادائیگی مہر رکھا ہے اور عام محاورہ ہے۔ تمام عورتیں دست درازی صحیح یا غیر صحیح پر جبینہ کہتی ہیں۔ کہ ہماری عزت خراب کر دی۔ مرد کبھی نہیں کہتا کہ میری عزت فلاں عورت نے بگاڑ دی۔ کیونکہ اس کا اثر عورت پر پڑتا ہے۔ مرد پر اثر نہیں پڑتا۔ دراصل بظاہر لفظ مستعمل عورت پر آتا ہے۔ کہ مرد پر زیادہ تصریح فضول ہے۔ تحریر کی گئی ہے یہ بھی زیادہ ہے۔ مجبوراً کی گئی۔

یہ اور قابل عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو صفات باعتبار اعضاء ظاہری کی مستورات کے لئے رکھیں ہیں۔ وہ باکرہ ہونا خاص صفت ہے۔ یعنی موٹے الفاظ میں دکنوارہ پن، اس لئے فرمایا ہے۔

وجعلنھن ابکارا۔

یہ بھی ضرور زیر نظر فرمایا جاوے اور بغور وانصاف۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

ما ارسلنا من قبلک الا رجالا نوحی الیھم

جناب باری نے عورت کو نبی رسول نہیں کرکے بھیجا۔ اس لئے کہ تبلیغ اور عام جگہ جانا وعظ نصیحت کے لئے یہ فرض اُن کا ہوتا تھا۔ بفحوای یمشی فی الاسواق۔ عورتوں کو قرن فی بیوتکن وَامسکوھن فی البیوت ...... حتی یتوفھن الموت ولا تخرجوھن ولا یخرجن کا حکم ہے۔ اگر منافقین خائنین بظاہر ایمان لاکر معتقدین مومنین بنتے اور موقع پاکر دست درازی کرتے تو بڑی دقت کا سامنا رہتا۔ پس اس لئے مستورات نبی رسول نہیں ہوئیں بہر حال پردہ کرنے نہ کرنے کا تو ہر شخص مختار ہے۔ بڑا غضب تو یہ ہے کہ یہ کہا جاتا ہے۔ کہ قرآن مجید میں پردہ نہیں صرف اسی لئے یہ عرض ہوا ہے۔ والسّلام۔

ربنا تقبل منا

حرّرہٗ

فقیر محمد ممتاز حسین عفی اللہ عنہ قرنی جیلانی

(تلخیص و ترجمہ)

اس خلاء کو پُر کیجئے!

ذیل کا مضمون مخدومی مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی کی ایک تازہ عربی تصنیف "ربّانیۃ لا رھبانیۃ" کے پہلے باب "فراغ یجب ان یملأ" کا ترجمہ ہے۔ اس میں تلخیص صرف عربی کے خطیبانہ طرزِ نگارش کے بنا پر غیر ضروری اعادہ و تکرار کے حذف کی حد تک ہے۔ (مدیر)

حقائق و مطالب پر اصطلاحات کا ظلم

یہ ایک امر واقعی ہے کہ بعض اصطلاحیں حقائق پر ظلم ڈھانے کا سبب بن جاتی ہیں۔ ہر فن، ہر زبان، ہر ادب اور ہر دین کے باب میں ان اصطلاحوں کی ستم فرمائیوں کی ایک طویل داستان موجود ہے، اس لئے کہ ان کی بدولت ایک بالکل نئی دنیا وجود میں آجاتی ہے، شکوک و شبہات اور جدل و نزاع کا ایک سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور بے شمار مذہب و مسلک پیدا ہو جاتے ہیں۔ جن کے حق میں دلائل و براہین کے انبار لگا دئے جاتے ہیں، ـــــ لیکن اگر ہم بعد میں وضع ہونے والی اصطلاحات سے صرفِ نظر کرکے اپنی توجہ اس امر کی جانب مبذول کریں کہ ماضی میں انہی حقائق و مطالب کو کن الفاظ و کلمات سے آسانی اور خندہ پیشانی سے تعبیر کیا جاتا تھا اور عہدِ اوّل اور سلف صالح کے لوگ کس خیال کے حامی تھے تو عقدہ حل ہو جائے اور افہام و تفہیم کی راہیں کھل جائیں۔

ایسی ہی اصطلاحوں میں سے ایک اصطلاح 'تصوّف' کی ہے، جس کی بنا پر مباحث و مسائل کا ایک طوفان کھڑا ہو گیا ہے۔ چنانچہ پوچھا جاتا ہے کہ "اس اصطلاح کا مفہوم اور ماخذ کیا ہے؟ ـــ یہ صوف سے مشتق ہے یا صفا سے یا صفوۃ سے؟ یا یہ ایک یونانی لفظ 'صوفیا' سے نکلا ہے جس کے معنی 'حکمت' کے ہیں؟ ـــ پھر یہ کہ یہ اصطلاح کب ایجاد ہوئی؟ ـــ جب کہ نہ کتاب و سنت میں اس کا کوئی نشان ملتا ہے نہ صحابہؓ اور تابعینؒ کے کلام میں ـــ اور ظاہر ہے کہ ہر وہ چیز

جس کی کیفیت یہ ہو وہ "بدعت محدثہ" کے قبیل ہی سے ہو سکتی ہے ؟!

ان سوالات کی بنا پر "تصوف" کے حامیوں اور مخالفوں کے مابین بڑے معرکے گرم رہے ہیں۔

تزکیہ، احسان، اور کتاب و سنّت میں ان کا مقام

لیکن اگر اس اصطلاح سے جو دوسری صدی میں رائج ہوئی تھی صرف نظر کر لیا جائے اور کتاب و سنّت اور صحابہؓ اور تابعینؒ کے زمانے کی طرف رجوع کیا جائے اور قرآن و حدیث پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ :-

(الف) قرآن مجید دین کے شعبوں میں سے ایک اہم شعبہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے جسے وہ "تزکیہ" کے نام سے موسوم کرتا ہے اور اس کا ذکر وہ ان چار بنیادی امور میں سے ایک کی حیثیت سے کرتا ہے جن کی تکمیل کے لئے رسولِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تھے۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ۚ (الجمعۃ)

وہی تو ہے جس نے امیوں میں ان ہی میں سے رسول مبعوث فرمایا جو ان پر اس کی آیات تلاوت کرتا ہے، ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔!

یعنی نفوس کا تزکیہ کرنا اور ان کو فضائل اخلاق سے مزین اور رذائل سے پاک کرنا — جس کی ایک شاندار مثال صحابہؓ کی زندگیوں اور ان کے اخلاص و اخلاق حسنہ میں نظر آتی ہے جس کے نتیجے میں وہ مثالی معاشرہ وجود میں آیا اور وہ عادل و راشد حکومت قائم ہوئی جن کی کوئی نظیر تاریخ عالم میں موجود نہیں ہے!

(ب) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے درجے کی خبر دیتے ہیں جو اسلام اور ایمان سے بلند تر ہے جسے آپؐ "احسان" سے تعبیر فرماتے ہیں اور جو یقین کی ایسی کیفیت کا نام ہے جس کے حصول کی ہر باہمت انسان کو سعی کرنی چاہیے۔ چنانچہ جب آپؐ سے پوچھا جاتا ہے کہ: "احسان کی حقیقت کیا ہے؟" تو آپؐ فرماتے ہیں: "یہ کہ تم اللہ کی ایسی بندگی کرو کہ یہ محسوس ہو کہ تم اسے دیکھ رہے ہو۔ اور یہ نہیں تو کم از کم وہ تو تمہیں دیکھ ہی رہا ہے!" (حدیث متفق علیہ)

(ج) : اور شریعت کے باب میں یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو احوال و اقوال منقول ہیں اور جنہیں کتابوں میں مدوّن کیا گیا ہے وہ دو طرح کے ہیں — (۱) ایک وہ افعال و ہیئات اور امور محسوس جیسے قیام و قعود، رکوع و سجود، تلاوت و تسبیح اور ادعیہ و اذکار اور

احکام و مناسک جن کی روایت و تدوین "حدیث" میں ہوئی ہے اور جن کے استخراج و استنباط سے "فقہ" بحث کرتی ہے۔ جس کے لئے محدثین اور فقہاء نے محنت و مشقت کی لہٰذا انہیں امت کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے اس لئے کہ انہی کی کوششوں سے دین محفوظ ہوا اور اس پر عمل آسان ہوا — (۲) اور دوسرے وہ کیفیات باطنی جو ان افعال کی ادائیگی کے وقت لازماً موجود رہتی تھیں اور جن کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام و قعود، رکوع و سجود، دعا و ذکر، امر و نہی ہر حالت اور گھر کی خلوت سے جہاد کے میدان تک ہر جگہ التزام فرمایا — یعنی اخلاص و احتساب، صبر و توکل، زہد و غنیٰ، ایثار و سخا، ادب و حیا، نماز میں خشوع و خضوع، دعا میں رجوع الی اللہ، دنیا کی چمک دمک سے گریز۔ ترجیح آخرت، اللہ کی ملاقات کا شوق اور ایسی ہی دوسری باطنی کیفیات اور ثمرات ایمانی جن کا شریعت کے ساتھ وہی تعلق ہے جو روح کا جسد سے اور باطن کا ظاہر سے ہے، ان عنوانات کے ذیل میں تفاصیل و جزئیات اور آداب و احکام کا ایک پورا سلسلہ ہے جس سے ایک مستقل علم وجود میں آتا ہے — حتیٰ کہ اگر اس علم کو جو امور محسوس کی وضاحت و تفصیل سے بحث کرتا ہے "فقہ ظاہر" کا نام دیا جائے تو اس علم کو جو ان کیفیات باطنی کی تشریح کرتا ہے اور ان کے حصول کے طریقوں سے بحث کرتا ہے "فقہ باطن" کا نام دیا جانا چاہیے۔

بنا بریں مناسب یہ ہے کہ اس علم کو جو نفوس کی تہذیب و تزکیے اور ان کو فضائل شرعی سے آراستہ کرنے اور رذائل نفسانی سے پاک کرنے سے بحث کرتا ہے، اور ایمان کی تکمیل، درجۂ احسان کی تحصیل اور صفات باطنی و کیفیات ایمانی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی دعوت دیتا ہے، "تزکیہ" یا "احسان" یا "فقہ باطن" کا نام دیا جائے۔ اس سے ان شاء اللہ العزیز اختلاف و افتراق کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اور ان دونوں گروہوں کے مابین مفاہمت ہو جائے گی جن کو محض ایک اصطلاح نے ایک دوسرے سے دور کر دیا ہے اس لئے کہ "تزکیہ، احسان، اور فقہ باطن" شریعت کے حقائق علمی اور دین کے ان مسلّمات میں سے ہیں جو کتاب و سنّت سے ثابت ہیں اور جن کا تمام مسلمانوں کو اقرار ہے۔ ساتھ ہی اگر "متصوف" حضرات اس غایت اصلی اور مقصود حقیقی پر نظر رکھیں جس کی تعبیر تزکیہ، احسان اور فقہ باطن سے کی جاتی ہے اور اس کے حصول کے کسی ایک مخصوص عملی طریقے پر اصرار نہ کریں اس لئے کہ طریقے تو زمان و مکان اور طبائع و احوال کے ساتھ بدلتے ہی رہتے ہیں، تو اس معاملے میں شاید ہی کوئی دو افراد ایسے مل سکیں جو اختلاف کریں ورنہ سب لوگ اقرار کریں گے کہ وہ واقعی دین کا ایک شعبہ اور اسلام کا ایک رکن وہ ہے جسے تزکیہ، احسان اور فقہ باطن کہا جانا چاہیے اور جسے شریعت کی روح، دین کے لب لباب اور زندگی کی حقیقی ضرورت کی حیثیت حاصل ہے۔ اس لئے کہ واقعہ یہ ہے کہ اس کے بغیر نہ دین میں کمال حاصل کیا جا سکتا ہے نہ حیات اجتماعی کی اصلاح ہو سکتی ہے

اور نہ ہی حقیقی معنوں میں خود انفرادی زندگی میں کوئی لذت پیدا ہو سکتی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ دین کی اس عظیم و تابناک حقیقت پر "تصوّف" کی مشہور اصطلاح نے پردہ ڈال دیا کہ اس کی وجہ سے یہ حقیقتِ عظمیٰ بہت سے لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل رہ گئی اور لوگوں کی ایک بڑی تعداد اس سے محروم رہ گئی۔ اگرچہ یہ سب کچھ بہت سے تاریخی اسباب کی بنا پر ہوا جن کا ذکر طوالت اختیار کرے گا، اس لئے کہ بہت سے معاملات خواہش و مصلحت کے علی الرغم ایک خاص صورت اختیار کر لیتے ہیں ——

تاہم اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ ہم حقیقت کا اقرار کریں، اصطلاحی بحثوں اور تعصب و نزاع سے آزاد ہو جائیں اور محض ایک نام یا جدید اصطلاح کی بنا پر اس حقیقتِ دینی سے فرار اختیار نہ کریں جس کا اقرار شریعت کرتی ہے۔ جس کی دعوت کتاب و سنت دیتے ہیں اور جس کی فرد اور اجتماعیت دونوں کو شدید حاجت ہے!

ستم بالائے ستم

اس حقیقتِ دینی پر ایک دوسرا ظلم بھی ہوا۔ اور وہ یہ کہ ایک طرف تو دجالوں، باطنیوں اور ملحدوں نے دین کی تحریف، مسلمانوں کی گمراہی، معاشرے کی تباہی اور اباحیت کے رواج کے لئے اس فن کی قیادت اور علمبرداری اختیار کر لی نتیجۃً دینی غیرت رکھنے والے اور شریعتِ اسلامی کی حفاظت کرنے والے لوگ اس سے متنفر ہوتے چلے گئے —— اور دوسری طرف ایک اور گروہ نے جو نہ اس شعبۂ دینی کی روح اور اس کے اصل مقاصد سے واقف تھا نہ مقصدِ حقیقی اور وسائل کے مابین تمیز کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ نہ صرف یہ کہ ان دونوں کو باہم گڈمڈ کر دیا اور وسائل و ذرائع پر اتنا زور دیا کہ اصل مقصد ضائع ہو گیا۔ بلکہ اس فن میں ایسی چیزیں بھی شامل کر دیں جو اس کی رُوح اور اصل فطرت سے مطابقت نہ رکھتی تھیں اور انہیں کمالات اور مقاصدِ مطلوب میں شمار کر کے مسئلے کو مزید پیچیدہ اور لاینحل بنا ڈالا۔ نتیجۃً اُس چیز نے جس پر ہر مسلمان مکلّف تھا اور جو دین کا اصل مغز اور زندگی کی اصل ضرورت تھی ایک ایسی چیستان، فلسفہ اور رہبانیت کی شکل اختیار کر لی جس کی جانب صرف وہی لوگ متوجہ ہو سکتے تھے جو اسباب سے بالکل دستکش اور دنیا و مافیہا سے قطعاً بے تعلق ہو سکتے ہوں —— اور ظاہر ہے کہ ایسے لوگ ہر زمانے میں بہت قلیل ہوتے ہیں، پھر نہ یہ دین کی اصل دعوت ہے، نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ یہ ہے اور نہ ہی حکمتِ تخلیق اس کی متقاضی ہے!

علم و دین میں رسوخ رکھنے والے لوگوں کے بعض مواقف و مآثر

یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم ہے کہ وہ ہر دور میں ایسے لوگوں کو بھی اٹھاتا رہا جو غلو کرنے والوں

کی تحریفات، باطل پرستوں کے خود ساختہ خیالات اور جاہلوں کی تاویلات کے اثرات سے دینِ متین کو پاک و صاف کرتے رہے اور عجمی و فلسفیانہ آلائشوں سے مبرّا و منزّہ کیا، احسان اور فقہِ باطن کی دعوت دیتے رہے۔ جنہوں نے ہر دور میں اس مطلبِ نبویؐ کی تجدید کی، جس سے امت میں ایمان و احسان کی نئی روح پھونکی اور انسانوں کے قلوب کا اللہ کے ساتھ، ان کے اجسام کا ارواح کے ساتھ، معاشرے کا اخلاق کے ساتھ اور علماء کا ربانیت کے ساتھ تعلق از سرِ نو استوار کیا۔ یہی لوگ تھے جن کی کوششوں سے عوام الناس میں شہوات، فتنۂ مال و اولاد اور حیاتِ دنیوی کی چمک دمک کے مقابلے کی طاقت پیدا ہوتی رہی اور خواص میں یہ قوت پیدا ہوئی کہ وہ بادشاہوں کی قوت و شوکت اور ان کے وعدہ و وعید کے علی الرغم کلمۂ حق کہنے اور امراء و سلاطین کا احتساب کرنے کا کٹھن فرض ادا کر سکیں۔ —— تب ہی ان میں سے کسی کے لئے یہ ممکن ہو سکا کہ جب اس سے اس خواہش کا اظہار کیا گیا کہ بادشاہِ وقت کی رضا جوئی کے لئے اس کے ہاتھ کو بوسہ دے تو اس نے کہا۔ "خدا کی قسم! میں تو پسند نہیں کرتا کہ وہ میرے ہاتھ کو بوسہ دے، چہ جائیکہ میں اس کے ہاتھ کو بوسہ دوں، لوگو! تمہاری راہ اور ہے اور میری راہ اور ہے[1]" —— اور ان میں سے ایک دوسرے شخص نے جب کہ اس کی خدمت میں بادشاہ نے کچھ پیش کیا تو کہا۔ "اللہ تو جب یہ فرماتا ہے کہ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ تو وہ دنیا کو اس کے سارے طول و عرض سمیت بہت حقیر و بے وقعت قرار دیتا ہے — تو اس قلتِ قلیل میں سے جو تھوڑا سا ٹکڑا اللہ نے تجھے عطا فرمایا ہے میں اس کے لئے تیرے سامنے اپنے آپ کو ذلیل نہیں کرنا چاہتا![2]" —— اور ان میں سے ایک نے بادشاہ کے سامنے پاؤں پسارے رکھے اور جب اس نے ان کی خدمت میں کچھ پیش کیا تو کہا، "جو اپنا پاؤں پسار سکتا ہے اسے ہاتھ پھیلانے کی کوئی حاجت نہیں ہوتی![3]"

حقیقت یہ ہے کہ اگر ایسے پاک نفس لوگ نہ ہوتے تو اسلامی معاشرہ ایمان اور روحانیت کے سخت زوال سے دوچار ہو جاتا، مادیت کی سرکشی اور تیز و تند موج امت کے ایمان کے بچے کھچے حصے کو بھی ہڑپ کر جاتی، قلب کا رشتہ اللہ سے اور زندگی کا تعلق روح سے کمزور پڑ جاتا۔ معاشرہ اخلاق سے عاری ہو جاتا۔ اخلاص و احتساب ختم ہو جاتے۔ امراضِ باطنی پھیل جاتے اور طبیب نایاب ہو جاتے، عوام دنیا پر کتوں کی طرح جھپٹتے اور اہلِ علم جاہ و منصب کے حصول میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش میں لگ جاتے اور ان پر طمع اور جھوٹی شان و شوکت

[1] شیخ عز الدین ابن عبد السلام (م ۶۶۰ھ) [2] مرزا مظہر دہلوی [3] شیخ سعید حلبی

کے حرص کا غلبہ ہو جاتا — اور فی الجملہ دین کا وہ اہم شعبہ معطل ہو کر رہ جاتا جو تزکیۂ احسان اور فقہ باطن سے تعبیر کیا جاتا ہے!

بعض مسلمان ممالک میں روحانی و اخلاقی بحران کا سبب اور اسکا علاج

ان ممالک کے حال پر غور کیجئے جن میں دعوت الی اللہ اور تزکیۂ نفس کا بازار ایک عرصے سے سرد ہے اور اللہ کی طرف بلانے والوں اور تعلق باللہ اور اصلاح باطن کے علمبرداروں کا قحط ہے —

چاہے یہ صورتِ حال مغربی تہذیب کے تسلط سے پیدا ہوئی ہو، چاہے اس کے مرکز سے قرب کی بنا پر، چاہے دوسرے عوامل کے سبب سے — بہرحال آپ کو ایک ایسے ہولناک خلا کا احساس ہوگا جو نہ محض تبحر علمی سے پُر ہو سکتا ہے نہ تعمق فکری سے، نہ ذہانت و فطانت سے پاٹا جا سکتا ہے نہ فن و ادب سے، نہ کتاب و سنت کی زبان سے قریبی رشتے سے یہ کمی پوری ہو سکتی ہے نہ آزادی کی نعمت سے — یہ ایک لاعلاج روحانی و اخلاقی بحران ہے جو اجتماعیات کی مشکلات میں سے ایک لاینحل مسئلے کی صورت اختیار کر چکا ہے — عوام کا حال یہ ہے کہ وہ مادیت کی تیکھی چتونوں کا شکار ہو چکے ہیں اور اندھی دولت اور اجتماعی و اخلاقی امراض نے انہیں اپنا لقمہ بنا لیا ہے۔ رہے مہذب اور ثقافت یافتہ لوگ تو وہ جاہ و منصب کے حرص، اور حسد، بخل، ریا، کبر اور انانیت جیسے امراض باطنی کے شکار رہیں۔ سیاسی و اجتماعی تحریکوں کا حال یہ ہے کہ انھیں اغراض کی بندگی، تربیت کی کمی اور رہنماؤں کی کمزوریوں نے بے جان کر دیا ہے، جماعتوں اور اداروں کو اختلافات، احساس ذمہ داری کے فقدان اور مادی اسباب و وسائل اور تنخواہوں اور معاوضوں میں اضافے کی فکر نے مضمحل کر دیا ہے، علماء کی حیثیت ظاہر داری کے اہتمام اور فقر کے خوف، عوام و خواص کی ناراضگی اور سہولتوں اور آسانیوں کے عادی ہو جانے سے ختم ہو گئی ہے — ان تمام چیزوں کا علاج بجز اس تزکیۂ نبوی کے جس کا حکم قرآن میں ہے اور جس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تھے — اور اس "ربانیت" کے جس کا مطالبہ علماء سے کیا گیا تھا کہ: وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۙ اور کچھ نہیں ہے!

اس خلا کو پُر کرنے کی فکر کیجئے:- میں نہ تو تزکیہ کے اس خاص طریقے پر اصرار کرتا ہوں جس پر نسلاً بعد نسل مسلمان عمل کرتے آئے اور جو آخری زمانے میں "تصوف" کے نام سے مشہور ہوا، اور نہ

لئے کہ کتاب و سنت کی اصطلاحات ہمارے لئے کافی ہیں — اور نہ ہی یہ کہتا ہوں کہ ماضی میں جن لوگوں نے اسے اپنا شعار بنایا ان سے کوئی علمی و فکری یا عملی غلطی سرزد نہیں ہوئی۔ اس لئے کہ خطا و صواب کا امکان سب کے ساتھ ہے — لیکن یہ گزارش ضرور کرنا چاہتا ہوں کہ اس مہیب اور ہولناک خلاء کو پُر کئے بغیر کوئی چارہ نہیں جو ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگیوں میں موجود ہے!

ہماری نجات اور فوز و فلاح کی ایک ہی راہ ہے اور وہ یہ کہ ہم اس کمی کو پورا کریں جسے ماضی میں وہ لوگ پورا کرتے تھے جو اللہ کی طرف دعوت دیتے تھے، ربانیت کی تلقین کرتے تھے، لوگوں کے نفوس کا تزکیہ کرتے تھے، ان کے ایمان اور تعلق مع اللہ کی تجدید کرتے تھے اور اصلاح باطن اور معاشرے سے پہلے فرد کی اصلاح پر زور دیتے تھے! — ساتھ ہی میں ان حضرات کی خدمت میں جو ان داعیانِ حق پر تنقید میں بہت جری و بے باک ہیں۔ ایک عربی شاعر حطیئہ کا یہ شعر پیش کرتا ہوں:-

أَقِلُّوا عَلَيْهِمْ لَا أَبَا لِأَبِيكُمُ مِنَ اللَّوْمِ أَوْ سُدُّوا الْمَكَانَ الَّذِي سَدُّوا!!

یعنی — یا تو اس کمی کو پورا کرو جسے وہ پورا کرتے تھے، یا پھر اے بدبختو! کم از کم ان کو ملامت کرنے میں تو کمی کردو! (عربی سے ترجمہ)

اعلان

مولانا حمید الدین فراہیؒ کی حسب ذیل تصانیف کے ترجمے ایک محدود تعداد میں موصول ہوئے ہیں قدر دان حضرات رجوع فرمائیں۔ یہ تراجم مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کے قلم سے ہیں اور دائرہ حمیدیہ اعظم گڑھ کے زیر اہتمام طبع ہوئے ہیں۔

مقدمہ تفسیر نظام القرآن	۰٫۹۰	تفسیر سورۂ کوثر	۱٫۰۰
تفسیر بسم اللہ و سورۂ فاتحہ	۰٫۴۵	تفسیر سورۂ لہب	۰٫۷۰
تفسیر سورۂ قیامہ	۰٫۶۰	اقسام القرآن	۱٫۳۰
تفسیر سورۂ والشمس	۰٫۵۰	ذبیح کون ہے!	۱٫۷۰
تفسیر سورۂ فیل	۱٫۰۰	تفسیر سورۂ تحریم	۰٫۷۰
تفسیر سورۂ ذاریات	۱٫۳۰	تفسیر سورۂ عبس	۰٫۷۰
تفسیر سورۂ مرسلات	۰٫۶۰	تفسیر سورۂ عبس	۰٫۷۰
تفسیر سورۂ والتین	۰٫۷۰	تفسیر سورۂ والعصر	۰٫۶۰
		تفسیر سورۂ الکافرون	۰٫۴۵
تفسیر سورۂ اخلاص	۰٫۴۵		

ملنے کا پتہ:- دارالاشاعت الاسلامیہ۔ امرت روڈ کرشن نگر لاہور ۱۲

اظہار احمد قریشی
(بی ایس سی کیمیکل انجینیرنگ)

عظمتِ تخلیق اور ارتقائے انسانی

انسانی علم و ہنر جوں جوں ترقی کر رہے ہیں، خدا کی تخلیق کی عظمت و شوکت نمایاں تر ہوتی جا رہی ہے۔

پچھلی چند صدیوں میں ہم نے دریافت اور ایجاد کی جو متعدد منازل طے کی ہیں۔ آج جب ہم پیچھے مڑ کر اپنے اس کارنامہ پر نظر دوڑاتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ ہم کتنی تاریکی اور بے بسی کے عالم سے نکل کر موجودہ علم کی روشنی اور ہنر کی ترقی کے دور میں آ گئے ہیں۔ لیکن آج بھی ہم کسی بھی ہنر کے میدان میں اپنی کسی ایجاد کا خدا کی کسی تخلیق سے موازنہ کرتے ہیں تو انسانی پستی اور عاجزی اور خالقِ کائنات کی تخلیق کی عظمت کا احساس صحیح طور سے جاگزیں ہو جاتا ہے۔

ہمیں اپنی اس ترقی اور سر توڑ حاصل کی ہوئی بلندی کا یہ فائدہ ہوا ہے کہ ہم خدا کی تخلیق کی عظمت کا احساس پہلے سے زیادہ حاصل کر سکتے ہیں۔ جو شخص انسانی ترقیوں اور انسانی ایجادات پر فرحاں و نازاں نظر آئے تو سمجھ لیجئے کہ اس شخص کی نگاہ پیچھے کی جانب ہے یا پھر یہ شخص علم و ہنر کے میدان میں خود بہت پیچھے ہے اور اپنے سے آگے والے انسانوں کی قابلیت سے مرعوب ہے ورگرنہ علم و ہنر کے میدان میں جو لوگ سب سے آگے ہیں اور مزید آگے بڑھنے کی کوششوں میں مصروف ہیں ان سے بات کیجئے تو وہ لوگ خدا کی اس کائنات کی عظمت اور اس کے عمق اور اس کے مقابلے میں اپنے علم اور تجربہ اور استطاعت کی عاجزی کا احساس رکھتے ہیں۔

ایک بہت بڑے انجینیر سے بات ہو رہی تھی۔ وہ برقیاتی مشینی دماغوں کے متعلق بتلا رہے تھے۔ کہ کس طرح یہ دماغ بے حد پیچیدہ حسابی مسائل کو چند لمحوں میں حل کر دیتے ہیں۔ کافی دلچسپ اور موثر تفصیلات بتلانے کے بعد وہ صاحب خود بخود فرمانے لگے "لیکن آج بھی انسانی دماغ سے بہتر کوئی مشین موجود نہیں ہے۔ بلکہ یہ اتنے زیادہ کارآمد مشینی دماغ، انسانی دماغ کی صلاحیتوں کے کہیں آس پاس بھی نہیں پھٹکتے۔"

ابھی کوئی زیادہ عرصہ نہیں گذرا ہے کہ ہم ہوا میں اڑنے کے قابل بھی نہ تھے۔ سطح زمین کے بہت سے مشکل حصے ہماری دسترس سے باہر تھے۔ اس کیفیت سے آج کی کیفیت کا موازنہ کیجئے تو محسوس ہوتا ہے کہ ہم نے کس قدر ترقی کر لی ہے لیکن جس تناسب سے کائنات کے ہیبت ناک فاصلے ہمارے علم میں آتے ہیں اور ان فاصلوں کے پیش نظر ہمارا اپنی زمین سے باہر نکل کر مدار پر چکر لگانا اور چاند کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنا ایک چھوٹے بچے کے گھٹنوں چلنے شروع کرنے کی کیفیت سے کچھ بھی تو زیادہ نہیں ہے۔

آرٹ کا عنوان ملاحظہ ہو۔ کسی قابل ترین آرٹسٹ کی بہترین تخلیق کے لئے جو بڑے سے بڑا تعریفی کلمہ آپ کہہ سکتے ہیں وہ یہی تو ہے کہ یہ بالکل قدرتی معلوم ہوتا ہے IT IS JUST NATURAL گویا تخلیق خداوندی آخری معیار ہے۔ ہماری ہر قابلیت کے جانچنے کا۔

جو لوگ کیمروں کے علم سے بخوبی واقف نہیں ہیں ان کے سامنے جب بیان کیا جائے کہ آج اتنے زیادہ قوت والے کیمرے ایجاد ہو گئے ہیں کہ بلندی پر پرواز کرنے والے ہوائی جہاز سے ہم زمین پر کی ایک کیل کا بھی صاف فوٹو اتار سکتے ہیں تو وہ سر دھنفے لگیں گے اور سائنس اور سائنسدانوں کی تعریف کرنے لگیں گے۔ لیکن جو لوگ اس علم سے پوری طرح واقف ہیں وہ جب اس سارے علم و تجربہ و اختراع کا اس کاریگری سے موازنہ کرتے ہیں جو ایک انسانی آنکھ کے بنانے میں لگی ہے تو انہیں انسانی عجز و کم مائگی کا احساس ہوتا ہے۔

یہ عجز و کم مائگی کا احساس اصل حاصل ہے ہماری کل ترقیات کا جس شخص کو یہ حاصل نہیں ہے وہ علم و فکر کے میدان میں پیچھے ہے اور حقیقت حال سے ناواقف ہے۔

ایک اہم حقیقت جو اکثر فراموش ہو جاتی ہے یہ ہے کہ انسان کی کل تگ و دو "دریافت" کے میدان میں ہے۔ تخلیق کی ہوا بھی کہیں سے انسان کو نہیں لگی ہے ہم نے صرف اشیاء کی صفات دریافت کیں اور ان سے کام لینا سیکھا۔ یہ صفات تمام کی تمام پہلے سے موجود تھیں۔ ہم نے کسی چیز کا بھی اضافہ نہیں کیا ہے جیسے ریڈیو ہم نے دریافت کر لیا لیکن برقیاتی ریڈیائی لہریں جن کی وجہ سے ریڈیو کام کرتا ہے اپنی انہی خصوصیات کے ساتھ پہلے سے موجود تھیں یہی حال ہماری تمام ایجادات کا ہے۔

دریافت کے میدان میں بھی ہماری تگ و دو کا حاصل اشیاء کی صفات تک ہی ہے۔ اشیاء کی حقیقت سے ہم اتنے ہی دور ہیں جتنے کچھ ... نے روشنی سے کام لینے کے کیسے کیسے طریقے معلوم کر لئے ٹیلیویژن ایجاد کرا ... نمن میں ٹیٹھتے ہی جا رہے ہیں۔ لیکن روشنی ہے کیا چیز؟ اس کی حقیقت ... ں سوال کا جواب آج بھی ہمارے پاس نہیں ہے اسی طرح بغیر اصل حقیقت حال معلوم ہوئے اشیاء کی صرف چند صفات کے علم کی بنا پر ہماری تمام ایجادات کام کر رہی ہیں

کہاں وہ صدیوں کے کارناموں کی شورا شوری اور کہاں یہ حقیقی عجز و درماندگی۔ تخلیق کی اس عظمت سے خالق کی عظمت کا کچھ اندازہ ہوتا ہے اس بے پایاں عظمت کے سامنے سر بسجود ہو جانا ہمارا منتہائے کمال ہے!

(اظہار احمد قریشی۔ جوہر آباد)

افقِ صحافت کا درخشندہ ستارہ

ماہنامہ انوارِ اسلام

نگران۔ مولانا ابو محمد امام الدین رام نگری

مقاصد و خصوصیات:۔

(۱) اسلام کا تحفظ اور مسلمانوں کے ایمان و اسلام کا استحکام (۲) اسلامی سیرت و کردار کی تعمیر (۳) مسلمانوں کے دینی و ملی اور معاشی مسائل کی جرأتمندانہ وکالت (۴) قرآن مجید اور سیرت نبوی سے متعلق معاندین اسلام کے اعتراضات و بہتانات کا وید شاستر سے مدلل اور مسکت رد و جواب (۵) مندرجہ بالا مقاصد کے تحت باقساط معرکہ آرا کتابوں کی اشاعت تاکہ ہر گھر اسلام کا دفاعی قلعہ بن جائے۔ سالانہ چندہ پانچ روپے۔ حسب ذیل پتے پر ارسال کر کے ہمیں مطلع کرانے کی رسید بھجوا دیجئے۔ رسالہ جاری ہو جائے گا۔

انوار اسلام کے ساتھ تعاون باطل سے نبرد آزمائی کے مترادف ہے مہتمم ماہنامہ انوار اسلام رام نگر بنارس۔

پتہ:۔ مکتبہ عثمانیہ ۲۲۸۰ پیر الٰہی بخش کالونی۔ نیا بازار کراچی

تقریظ و تنقید

نوائے پہلوی

نوائے پہلوی حضرت مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ کے فارسی کلام کا مجموعہ جسے بدر الدین صاحب اصلاحی نے مرتب کیا ہے اور دائرہ حمیدیہ، جامعۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڑھ۔ بھارت نے شائع کیا ہے! کاغذ خوبصورت، چھپائی دیدہ زیب، ٹائپ میں۔ قیمت چار روپے۔

سرنامہ بدر الدین صاحب اصلاحی نے رقم کیا ہے۔ جس میں مولانا فراہی کے احوال اور علمی اشتغال پر اجمالی روشنی ڈالی گئی ہے۔ نیز پروفیسر نبی ہادی صاحب نے جو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں شعبۂ فارسی کے ریڈر ہیں، مولانا مرحوم کے سوانح پر روشنی ڈالنے کے علاوہ ان کے کلام پر بھی مختصر سا تنقیدی تبصرہ کیا ہے۔

مولانا فراہی کو امور دین سے جو شغف تھا وہ ظاہر ہے خصوصاً قرآن و تفسیر سے استغراق کی حد تک لگاؤ تھا۔ اور یہی استغراق ان کی علمی حیثیت کا امتیازی نشان بن گیا۔ اس سے ان کی ادبی دلچسپیاں دب گئیں، حالانکہ علامہ شبلی کی طرح ان کو بھی اللہ کی طرف سے شعر و ادب کے مطالعے کا شوق فراواں ارزانی ہوا تھا، یہی نہیں بلکہ ایک خوش ذوق شاعر کا مزاج بھی میسر تھا۔ نوائے پہلوی کا مطالعہ اس امر پہ ایک شاہد عادل کی طرح روشنی ڈالتا ہے۔

نوائے پہلوی متن کی رو سے دو حصوں میں منقسم ہے۔ ایک حصہ میں زمزمہ دری ہے۔ دوسرا سرود پارسی۔ مرتب نے مولانا مرحوم کا وہ کلام فارسی جس میں عربی الفاظ کی آمیزش نہیں یا ہے تو بہت کم پہلے حصے میں شامل کیا ہے۔ دوسرے حصے میں مختلف نظمیں شامل ہیں۔ یہ مولانا مرحوم کا عربی آمیز فارسی کلام ہے پہلا حصہ روایت فردوسی کی پیروی ہے اور دوسرا سعدی و حافظ کے لہجے کی۔ کلام پر سرسری سی نظر ڈالنے سے بھی یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ مولانا فراہی کو فارسی زبان پر خاصی قدرت حاصل تھی۔ اور انھوں نے ادب فارسی کا وسیع مطالعہ کر رکھا تھا۔ زبان دری ہے خواہ پارسی، معیاری ہے اور ادبی چاشنی سے مالامال۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ سرمستی اور والہانہ پن جو علامہ شبلی کے فارسی کلام میں سرتا سر نظر آتا ہے۔ وہ یہاں اس قدر فراواں نہیں۔

فارسی زبان، بیسویں صدی کے آغاز تک برعظیم پاک و ہند کے باشندوں کے لئے خصوصاً مسلمانوں کے لئے غیر زبان نہ تھی۔ اردو کے بہت کم نامور شاعر ایسے ہوں گے جنھوں نے فارسی میں طبع آزمائی نہ کی ہو۔

فارسی زبان کا ذوق ان کو جدّوں پشتوں سے متوارث چلا آرہا تھا۔ چنانچہ یہ زبان ڈھل گئی تھی۔ اس میں رچاؤ آگیا تھا۔ وہ لوگ جو اردو میں بڑی کوشش کے بعد دلنشین شعر کہہ سکتے تھے، فارسی میں نسبتاً کم توجہ صرف کرکے دلکشی پیدا کر لیتے تھے۔ گویا فارسی یہاں ہی کے لئے نہیں ہمارے لئے بھی ترجمانِ محبت و زبانِ ادب کی حیثیت اختیار کر چکی تھی ——— مولانا فراہیؒ کا کلام دیکھئے تو قطعاً احساسِ تکلف نہیں ہوتا۔ یہی دکھائی دیتا ہے کہ شاعر "اپنی زبان میں" کچھ کہہ رہا ہے۔ محسنات کلام جمعۃً ایرانی وضع کے ہیں۔ اور یہ بالکل قدرتی بات ہے۔ کسی زبان و ادب سے لگاؤ اس زبان کے جغرافیائی ماحول کو بھی ذہنوں میں راسخ کر دیتا ہے۔ لہٰذا اگر برعظیم پاک و ہند کے فارسی شاعر اپنے کلام کے آئینے میں ایرانی نظر آئیں تو حیرت کیسی؟

مولانا فراہیؒ کے کلام میں فکر اور جذبے کی حسین کارفرمائی ہے۔ البتہ جذبہ حاوی تر ہے۔ اور واضح ہے کہ جس کلام پہ جذبہ زیادہ حاوی ہو اس میں صنائع بدائع کے تکلفات مقابلتاً کم ہوتے ہیں ——— مولانا کے کلام میں ناہمواری نہیں ہے۔ ثقالتیں نام کو نہیں۔ یہ وصف شگفتہ ذوق اور طبعی نفاست پسندی کے بغیر پیدا نہیں ہوتا۔

مولانا فراہیؒ کے کلام پر مولانا رُوم اور خواجہ حافظ دونوں کا اثر ہے ——— اس مجموعے "برگ گفتنیہا" مولانا رُوم کے رنگ میں ہے۔ یہ مختلف عنوانوں کے تحت پانچ نظمیں ہیں۔ "نیستی و ہستی" جو تیسری نظم ہے خاص طور پر مولانا رُوم کے انداز میں ڈھلی ہے۔ اس کے بیشتر اشعار ایسے ہیں کہ اگر مولانا رُوم کے کہہ کر سُنا دیئے جائیں تو کسی کو شبہ نہ ہو۔

زیرِ نظر مجموعے میں سے کچھ اشعار بطورِ نمونہ ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں۔

ع زآسماں پیغمبرے آوازت دہد
فلسفی از خاک پروازت دہد
ایں ز دُورت رہ نماید سوئے جاں
واں بخواند خود ترا از کوئے جاں

ع خود بخود چیزے نگردد خوب و زشت
خواہش ما ایں چنیں بر روئے نوشت
ہر چہ ہست اندر جہاں بالا و پست
خواہش جاوید را فرماں برست

ع ماشکار مژۂ و ابروئے خوباں نشویم
ہر صید دلِ ما تیرو کمانے دگرست
چوں تہی از خود از دست لبالب شدایم
ہمچو نے، ہر چہ سرایم ز دہانے دگرست

نادکے سخت مگر خورد فراہی دیشب
کیں سحر زمزمۂ او بفغانے دگرست

ع بزمہا آراستیم و مے بجام انداختیم
باز چوں دیدیم خوبیِ دل برجام ست لبس
ع زیں ہرزہ رہروی بکشاکش فتادہ ایم
ہم پیرو خود ایم و از خود رمیم ما
بپے خدنگِ تو ہر زخم را دہاں بازست
چگوں بیزباں کہ درش پیرو مہماں بازست
ع تو دردِ دادی و من جاں فرستم و شادم
کہ در میانۂ ما راہ ارمغاں بازاست
ع متاعِ خوش دلی از خانۂ گیتی بروں باشد
کہ ایں جا از پئے آرام دل ساماں نمی بینم

زرنگ و بوئے گلزارِ جہاں دلشاد کے گردد
بپے شادی رہے جز طاعتِ یزداں نمی بینم

ع بیک جَو ہر دو عالم را فروشم
اگر روزے خریدارم تو باشی
ع ذرۂ عشقے جہاں عقل را غارتگرست
پنبہ گر صد تودہ باشد آتش یک اخگرست
ع تو بخارستاں از انتی کہ خوبت دشمنست
من بباغ و بوستاں نالم کہ خوبم دوستی بست!
ع چوں زاہدے کہ دو ساغر کشید و عربدہ کرد
شد از کرشمۂ چشمانِ تو حیا گستاخ

(م۔م۔م)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ
شخصیت اور کردار (جلد اول)

شائع کردہ: ادارۂ معارفِ اسلامیہ مبارک پورہ، سیالکوٹ، مغربی پاکستان، سائز ۲۲ × ۱۸، صفحات ۳۶۴، کاغذ سفید، طباعت و کتابت نفیس جلد مضبوط مع گرد پوش۔ قیمت ——— ۹ روپے۔

اس کتاب پر کسی تبصرے کے بجائے ہم وہ تحریر من و عن نقل کرتے ہیں جو مولانا امین احسن اصلاحی نے کتاب کے تعارف کے طور پر لکھی ہے۔

"مولانا حکیم محمود احمد ظفر کی اس قیمتی تصنیف پر ایک سرسری نظر ڈالنے کا موقع مجھے ملا ہے اور میں اس رائے کے اظہار میں دلی مسرت محسوس کرتا ہوں کہ موصوف نے یہ کتاب لکھ کر نہ صرف ہماری تاریخی کتابوں میں ایک قابلِ قدر اضافہ کیا ہے بلکہ اس سے دین کی بھی ایک نہایت ہی اہم خدمت انجام دی ہے۔

ہماری تاریخ کے ابتدائی دور ہی میں مسلمانوں کے اندر منافقین و مفسدین کا ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا تھا جس نے اپنی سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے ایک طرف تو ملت کے اجتماعی و سیاسی نظام کی چولیں ہلا کر رکھ دیں، دوسری طرف اپنی تلبیسات

اور دروغ بافیوں سے ہمارے تاریخی لٹریچر میں ایسا زہر آلود مواد بھر دیا جس کے مہلک اثرات سے آج تک ملت کو نجات نہ مل سکی۔ ہر دَور کے مفسدین و اشرار اس زہریلے مواد کو ابھار ابھار کر کوئی نہ کوئی فتنہ اٹھاتے رہے ہیں جس سے پوری ملت برابر ایک انتشار و اضطراب میں مبتلا رہے۔

ہمارے اصحابِ علم و فکر پر یہ ایک بہت بھاری ذمہ داری عاید ہوتی ہے کہ وہ اپنی تاریخ پر ایک گہری ناقدانہ نظر ڈال کر اس قسم کی تدلیسات و تلبیسات سے اس کو پاک کریں۔ اس کے بغیر افکار اور جذبات کی وہ ہم آہنگی وجود میں نہیں آسکتی جو تنظیمِ ملت کی حقیقی بنیاد ہے۔ خاص طور پر صحابہ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا معاملہ نہایت اہم ہے۔ ان کے باب میں کوئی اختلاف صرف تاریخ کا اختلاف نہیں ہے بلکہ عقائد و ایمانیات اور ارواح و قلوب کا اختلاف ہے اور اس کی زد بالواسطہ اصلِ دین پر پڑتی ہے۔ اگرچہ ہر دَور میں ہمارے بیدار علماء نے اس فرض کا احساس کیا اور انہوں نے بہت سی تلبیسات کا پردہ چاک کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اس فتنے کی جڑیں ہمارے ادب اور ہماری تاریخ کے اندر اتنی گہری اُتری ہوئی ہیں کہ جب تک تنقید کے جدید آلاتِ جراحی سے کام لے کر اس سرطان کے اثر کا کُلّی استیصال نہ کر دیا جائے گا، مفسدین و منافقین اپنے مشئوم اغراض کے لئے اس کو غذا بہم پہنچاتے رہیں گے۔ اور کمزور طبائع پر ان کا حملہ ہوتا رہے گا۔

ہر کام کے لئے قدرت کی طرف سے ایک وقت مقرر ہے۔ شاید یہ دَور اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے منتخب فرمایا ہے کہ ہمارا چمنستانِ تاریخ اس تمام جھاڑ جھنکار سے پاک صاف ہو جائے جس کی تخم ریزی مفسدین نے کی اور جو چمن کے مالیوں کی غفلت کے سبب سے جڑ پکڑ گیا تھا۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے اور ہمیں اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ ادھر تھوڑے سے عرصے میں ہماری تاریخ کے اس خاص پہلو پر متعدد ایسی جاندار کتابیں نکلی ہیں جو ذہنوں کے صاف کرنے اور طرزِ فکر کے بدلنے میں نہایت مؤثر اور مفید ثابت ہوئی ہیں۔ جناب حکیم محمود احمد ظفر صاحب کی یہ کتاب بھی اس زمرے کی ایک نہایت مفید کتاب ہے۔ ہم نے اس کے جن مباحث پر نظر ڈالی ہے ان سے ہمیں اندازہ ہوا کہ حکیم صاحب نے اپنے موضوع کی گہرائی اور وسعت کے ساتھ مطالعہ

کیا ہے اور جو کچھ لکھا ہے سلجھے ہوئے انداز میں دلائل کے ساتھ لکھا ہے۔ موصوف کے پیش کردہ دلائل کے بعض اجزاء سے اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن کتاب کی ہر فصل کا مدعا بحیثیت مجموعی اس قدر واضح ہے کہ اس سے مشکل ہی سے کوئی انصاف پسند آدمی اختلاف کر سکے گا۔

اس کتاب کے مباحث پر نظر ڈالتے ہوئے بار بار ہمیں خیال آیا کہ جب سیدنا عثمان غنیؓ، سیدنا امیر معاویہؓ اور اکابر بنی اُمیّہ سے متعلق تاریخ کی کتابوں میں یہ پاکیزہ مواد بھی موجود ہے جو اس کتاب میں مستند حوالوں سے نقل ہوا ہے تو آخر اس کو نظر انداز کر کے بعض لوگوں نے صرف اس مواد کو جمع کرنے کی کاوش کیوں فرمائی جس سے ان جلیل القدر صحابیوں کی تنقیص ہو سکے۔ آخر یہ مطالعۂ تاریخ کا کون سا انداز ہے کہ غلاظت پسند مکھی کی طرح صرف انہی گندے چھینٹوں پر آدمی کی نظر پڑے جو کسی مفتری نے ہمارے پاکیزہ خصائل اسلاف کے دامن پر اڑا دئے ہوں۔ اس معاملے میں جو کوتاہی ہمارے مورخین سے ہوئی ہے اگرچہ وہ بھی قابلِ افسوس ہے لیکن ان کی طرف سے یہ عذر کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے صرف روایات و اقوال کے جمع کر دینے میں اکتفا کیا ہے، تحقیق و تنقید کا کام دوسروں کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ لیکن ان لوگوں کی طرف سے آخر کیا عذر پیش کیا جا سکتا ہے جو تحقیق و تنقید کے دعوے کے ساتھ اٹھتے ہیں اور سبائیوں اور روافض کی روایات کو بنیاد بنا کر جلیل القدر صحابہؓ کو مطعون کر ڈالتے ہیں۔ اگر کسی جامع اقوال مورخ کی کتاب میں کوئی روایت درج ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ روایت اس مورخ کا مذہب و مسلک ہے لیکن اگر اس روایت کو کوئی شخص اپنی تحقیق کی حیثیت سے اختیار کر لیتا ہے تو اس کے صاف معنی یہی ہیں کہ یہی اس کا مذہب و عقیدہ ہے پھر یہ بات بھی اپنی جگہ پر مسلّم حقیقت ہے کہ مؤرخین نے خواہ کتنی ہی ضخیم ضخیم کتابیں لکھی ہوں لیکن ان کی رطب و یابس روایات کا یہ درجہ نہیں ہے کہ ان کی بنا پر صحابہؓ کو مجروح قرار دیا جائے۔ سیدنا عثمان غنیؓ اور سیدنا معاویہؓ تو خیر بڑی چیز ہیں، ایک ادنیٰ صحابی کا بھی یہ درجہ ہے کہ اس کی ثقاہت و عدالت کو ہزاروں طبری و جزری اور لاکھوں کلبی و واقدی مجروح نہیں کر سکتے۔

ہماری دعا ہے کہ اس کتاب کو حسنِ قبول حاصل ہو اور ان فتنوں کے استیصال میں یہ ایک مؤثر قوت ثابت ہو جو اس وقت بعض سیاسی طالع آزماؤں نے اٹھا دیے ہیں:

امین احسن اصلاحی
۱۰ رجولائی ۱۹۶۷ء

تبصرۂ محمودی بر ہفواتِ مودودی (حصہ دوم)

ناشر: مکتبۂ محمود ۲۶ ایریا لیاقت آباد کراچی — قیمت: تین روپے، صفحات تقریباً دو سو — لاہور میں ملنے کا پتہ: مکتبۂ علم و حکمت سوتر منڈی، لاہور۔

ہم اگست ۱۹۶۶ء کے شمارے میں اس کتاب کے حصۂ اول پر تنقیدی تبصرہ کر چکے ہیں۔ حصۂ دوم میں بھی اکثر و بیشتر موضوعات وہی ہیں جو حصۂ اول میں زیرِ بحث آئے۔ البتہ اس میں تحقیق مزید کا حق خاصہ ادا کر دیا گیا ہے۔

کتاب کے آغاز میں مودودی صاحب کا ایک خط ہے جو انہوں نے رحمت اللہ صدیقی صاحب (مشرقی پاکستان) کے بعض استفسارات کے جواب میں لکھا۔ یہ استفسارات محمود احمد صاحب عباسی کی اُن تصریحات کے ضمن میں تھے جو مودودی صاحب کے سلسلۂ مقالات دربارۂ "خلافت و ملوکیت" سے متعلق تھیں۔ مودودی صاحب نے یہ کہہ کر بات اڑا دی کہ "اگر ایک کی تردید کی جائے گی تو یہ شخص (محمود عباسی)، پھر ایک پلندہ شائع کر دے گا اور مجھے اس کی غلط بیانیوں کا راز کھولنا پڑے گا۔ اب کیا میں سارے کام کو چھوڑ کر صرف اسی کام میں لگ جاؤں" —

رحمت اللہ صدیقی صاحب کی تسلی نہ ہوئی، انہوں نے پھر دباؤ ڈالا، مودودی صاحب نے اپنے دفتر کے کسی ملازم کے ذریعے جواب املا کرا دیا۔ وہ جواب بھی حقیقت سے پہلو تہی کے سوا اور کچھ نہیں، مگر جاتے جاتے حسبِ سابق محمود عباسی صاحب کی تحقیقات پر مزید کیچڑ اچھالنے کی سعی فرمائی۔

تحقیق کا رد تحقیق ہے — اگر محمود صاحب کی وضاحتیں تاریخی اعتبار سے غلط ہیں تو ان غلطیوں کا ازالہ ہونا چاہئے اور یہ کوئی ایسا غیر اہم کام نہیں کہ ایک عالم، فاضل اور محقق شخص اس کے لئے وقت نہ نکالے۔ مودودی صاحب نے "خلافت و ملوکیت" میں جس دور کو چھیڑا ہے وہ تاریخ اسلام کے لئے خشتِ کج کی حیثیت رکھتا ہے — حق کے معاملے میں

تعصب کا عمل دخل بھی کسی صاحبِ ایمان کے لئے زیبا نہیں — مودودی صاحب کی تحریروں سے تعصب کی بُو ضرور آتی ہے۔ اس لئے کہ جو کتب حوالہ ان کے سامنے تھیں ان میں انہوں نے "مرادی" انتخاب فرمایا ہے۔ انہوں نے بعض اُن روایات کو لے لیا ہے جن کے بارے میں متعلقہ کتاب کے مصنف کو معتبر روایت میسر نہ آسکی حالانکہ پوری دیانتداری سے کام لینے والے کی نظر میں اصولِ درایت کے مطابق لائقِ احترام روایت کو ترجیح دی جانی چاہئے —

ویسے اگر ہم مودودی صاحب کے حق میں رعایت برتنا چاہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ ممکن ہے مولانا نے طبری، ابن الاثیر، البدایۃ والنہایۃ، مروج الذہب وغیرہ کتب میں سے حوالے تلاش کرنے کا کام عزیزوں کے سپرد کر دیا ہو۔ اور پھر جو مواد منتخب ہو کر ان کے سامنے آیا ہو اسے اپنے نظریے کی قلمی تعبیر میں مسالے کے طور پر برت لیا ہو۔ اگر یہ بات درست ہے تو ایسے اہم معاملے میں ایسی سہل انگاری ناقابلِ معافی جرم ہے۔ اور اگر یہ تحقیق اور "حسنِ انتخاب" ان کا اپنا ہے تو پھر یقیناً ارادہ راست روی کی منزل کا نہیں۔

ان تمام امور سے ہٹ کر دیکھیں تو جب بھی حق یہ ہے کہ مودودی صاحب مزاجاً مؤرخ نہیں، وہ موادِ حاضر کو اپنی مخصوص منطق کی خلعت اُڑھا سکتے ہیں۔ ذہانت کی مدد سے تتبع و تبصرہ کر سکتے ہیں، وہ ذکاوت کے باعث اپنی مرضی کے نتیجے تک بھی پہنچ سکتے ہیں اور فی سبیل اللہ دوسروں کو بھی گمراہ فرما سکتے ہیں مگر تاریخ دانی بہرحال چیزے دیگر است — یہ جگر کاوی اور کوہ کاوی ہے، سہولت پسند اصحابِ تنقید اس بکھیڑے میں ٹانگ نہ اڑائیں تو بہتر ہے۔ انہیں اللہ نے اختراع و تخلیق کا جو مادہ عطا کیا ہے بہتر ہے کہ وہ تعمیری معاملات میں صرف ہو۔ اہلِ اُمت کو اکابرِ اُمت سے برگشتہ کرنا یہ کوئی مشیت تخلیق نہیں۔

محمود احمد عباسی صاحب نے شہادت عثمانؓ، جنگ صفین، تحکیم، بیعت حضرت معاویہؓ اور بیعت امیر یزید، کربلا، واقعۂ حرہ سے متعلقہ واقعات اور اشخاص کے ضمن میں ایک درست اور مدلل اصول یہ پیش کیا ہے کہ قرآن کے بعد مؤطاؔ اور صحاحِ حدیث یقیناً معتبر کتب ہیں ان میں اگر کوئی غلطیاں ہوں گی تاہم جس تدقیق سے مرتبینِ احادیث نے کام لیا ہے کسی مؤرخ نے تاریخ مرتب کرتے وقت نہ کیا ہوگا۔ لہٰذا "رجال" کے معاملے میں جو امور اور آراء مؤطاؔ یا صحاح میں موافق درایت مل جائیں ان کے مقابل مابعد کی تاریخی سندیں لائق ترجیح نہیں۔ بالخصوص اُن تاریخوں کی سندیں جو چھٹی یا ساتویں یا آٹھویں صدی میں مرتب کی گئیں — چہ جائیکہ ان تاریخوں

میں سے بھی وہ روایات لے لی جائیں جو سلسلۂ ترتیب میں آخر پر آئیں اور ان کے راوی ناپید ہوں اور اگر ہوں تو غیر معتبر ——— یہ اصول ہر انصاف پسند شخص کی توجہ کے لائق ہے — اور اس کی روشنی میں بہت سے عقدے حل ہو جاتے ہیں۔

گوشت پوست کے انسانی وجود کو فرشتہ بنا دینا بھی ضروری نہیں، مگر اسے خواہ مخواہ شیطان بنا دینا تو اور بھی غلط اقدام ہے ——— توازن و اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنا چاہئے۔

حق یہ ہے کہ عباسی صاحب کی تحقیق اور وسعتِ مطالعہ لائقِ داد ہے۔ انہوں نے اپنے دور کے ہر اس شخص کو چونکا دیا ہے جسے اسلام اور تاریخ اسلام سے دلچسپی ہے ——— ان کی دریافتیں قیمتی ہیں، اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے تاریخ کے اس دورِ پُر آشوب کے بارے میں سوچ کے دھارے کا رُخ موڑ دیا ہے تو بالکل بجا ہوگا۔ (ادارہ)

رسید کتب

☆ قرآنی تعلیمات (حصہ اول و دوم)

مرتبہ: محمد یوسف اصلاحی، صفحات: ۳۱۲، ۳۶۰، قیمت: ہر حصہ چار روپے۔

ناشر: مکتبۃ الحسنات، رام پور (یو-پی) بھارت

"قرآنی تعلیمات" کے دونوں حصوں میں قرآن مجید کی ہدایات و تعلیمات کو الگ الگ عنوانات کے تحت عام فہم انداز میں خوبصورت کتابت، طباعت اور جلد میں پیش کیا گیا ہے۔ ترجمانی بڑی سلیس اور مختصر تشریح، بڑی واضح ہے اور ضرورت کے مطابق احادیث سے بھی استدلال کیا گیا ہے۔

☆ انوار الصفا

مرتبہ: محمد خصلت حسین صابری، صفحات: ۳۷۶، قیمت: چار روپے۔

پبلشر: مکتبہ معاویہ، 1/۹ پی ون ایریا، لیاقت آباد، کراچی

اس کتاب کا آغاز رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو مبارک خطبوں اور چند احادیث سے ہوا ہے جو معارف و حکم کے سرچشمے اور اخلاقی تعلیمات کے خلاصے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس کے بعد چند جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم کا تذکرہ اور ان کے اقوال و نصائح ہیں۔ پھر تابعینؒ اور تبع تابعینؒ اور ان کے بعد دیگر بزرگانِ دین اور اکابر صلحاء و اولیاء کے تذکرے اور ان کے سبق آموز ارشادات و ملفوظات شامل ہیں۔ جناب محمد خصلت حسین صابری نے اس دلچسپ کتاب میں دور از کار اور بے سروپا باتوں سے احتراز کرتے ہوئے کام کی باتیں تحریر فرمائی ہیں۔

☆ اصول تفسیر اُردو

مترجم: مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی مرحوم، صفحات: ۱۰۴، قیمت: ایک روپیہ پچھتر پیسے۔

ناشر: المکتبۃ السلفیہ، شیش محل روڈ، لاہور ۲

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے رسالہ "اصول تفسیر" کا عام فہم ترجمہ جس میں قرآن مجید کی تفسیر کے اصول بیان

☆ قرآن اور عربی زبان

ترتیب: عزیز الرحیم، صفحات: ۶۴، بڑا سائز، قیمت: ایک روپیہ بارہ پیسے۔

مقامِ اشاعت: پاکیزہ دار الکتب، جیل روڈ، حیدر آباد (مغربی پاکستان)

قرآن مجید کے ذریعے عربی زبان و ادب کی تعلیم کا ایک آسان اور دلکش ذریعہ۔ قواعد آموز مثالوں کے ذریعے عربی زبان اور اس کے قواعد کی تدریس کی ایک اچھی کوشش۔

☆ تحریک ریشمی رومال

تصنیف: مولانا حسین احمد مدنیؒ، صفحات: ۲۶۲، قیمت قسم اول: پانچ روپے، قسم دوم ۵۰ء۳ روپے۔ ناشر: کلاسیک، ۴۲ مال، لاہور

۱۹۱۴ء کی تحریک آزادی جو برصغیر ہند کے حریت پسندوں نے غلامی کی زنجیروں سے نجات حاصل کرنے اور اسلامیانِ ہند کے اندر ایک نئی روح پھونکنے کے لئے چلائی، اس کتاب میں اسی ہمہ گیر تحریک پر مفصل بحث کی گئی ہے۔

☆ ارمغانِ عرب

ترجمان و مرتب: عزیز احمد صدیقی، صفحات: ۹۶، قیمت: ایک روپیہ۔
ملنے کا پتہ: مکتبہ معاویہ، ۱/۹ بی ون ایریا، لیاقت آباد، کراچی ۱۹
شاہ محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی معرکۃ الآراء تصنیف "تقویت الایمان" کا سلیس اور تفہیمی متن جس کے آغاز میں مفصل تعارف بھی دے دیا گیا ہے۔

☆ دلائل السلوک

مرتبہ: حافظ عبد الرزاق ڈبل ایم اے، صفحات: ۲۰۸، قیمت قسم اعلیٰ: پانچ روپے، قسم دوم: تین روپے۔
ناشر: ادارہ نقشبندیہ، اویسیہ، چکوال (جہلم)
یہ کتاب مولانا اللہ یار خاں صاحب کے افادات سے مدوّن ہوئی ہے۔ اس میں تصوف کو اسلامی چیز ثابت کیا گیا ہے اور بتایا ہے کہ قرآن و سنت میں جس کو "احسان" کہا گیا ہے وہ حقیقتاً یہی تصوف ہے۔ اس کتاب میں سلف صالحین کے ذریعے تصرّف و سلوک کی عملی صورت جو ہم تک پہنچی ہے وہ تفصیل کے ساتھ پیش کی گئی ہے۔ اس کتاب میں بیان کردہ آراء سے اختلاف کی گنجائش ہے تاہم اس کا مطالعہ بہت مفید ہے۔

☆ روضات

مترجم: مولوی ثناء اللہ ندوی، صفحات: ۱۳۶، قیمت ڈھائی روپے۔
ناشر: ادارہ تحقیق و تصنیف، ۱/۱۳۱ وحید آباد، کراچی ۱۸
یہ کتاب شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کی فارسی تصنیف کا ترجمہ ہے۔ اس میں بھی تصوف کے مختلف اور متنوع گوشے بیان کئے گئے ہیں۔ مولوی ثناء اللہ صاحب نے ترجمے سے پہلے اصل فارسی متن بھی من و عن علیحدہ دے دیا ہے۔

Regd. No. L. 7360.

Monthly "MEESAAQ" Lahore

Vol. 14	SEPTEMBER-OCTOBER 1967	No. 3-4

عزیز ساتھیو !

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے آپ نے ایک جماعتی نظم کے قیام کی قرارداد پر اتفاق کر لیا۔ میں اس پر آپ کو مبارک باد دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کام کے لئے عزم و ہمت عطا فرمائے اور ہر قدم پر ہماری دست گیری اور رہنمائی فرمائے۔

میں اس موقع پر آپ کے سامنے یہ اعتراف کرتا ہوں کہ ہر چند اس کی ضرورت اور اہمیت مجھ پر واضح تھی لیکن میں دو سبب سے اس قسم کی کسی ذمہ داری سے گریز کرتا رہا۔ ایک تو یہ کہ اب میرے قویٰ ضعیف ہو رہے ہیں، کوئی بھاری بوجھ اٹھانا میرے لئے ممکن نہیں رہا۔ دوسرا یہ کہ زندگی کے آخری دور کے لئے اپنے ذوق کے مناسب جو کام میں نے تجویز کر لیا تھا اب وقت و فرصت کا لمحہ لمحہ اسی پر صرف کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ دوستوں کے شدید اصرار بلکہ دباؤ کے باوجود میں خود اس کے لئے پہل کرنے کی ہمت نہیں کر سکا۔ دوستوں نے جب کبھی اس فریضہ کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی میں ان کے دلائل کا تو انکار نہ کر سکا لیکن اپنی کمزوریوں اور مجبوریوں پر نگاہ کر کے ان کی بات کو ٹالتا ہی رہا۔ میں یہ بھی محسوس کرتا رہا کہ اگرچہ میرے اوقات تمام تر دینی و علمی کاموں ہی میں بسر ہو رہے ہیں تاہم معاشرے سے متعلق مجھ پر جو فریضہ عاید ہوتا ہے اس میں مجھ سے کوتاہی ہو رہی ہے جس کے سبب سے نہ صرف میری بعض صلاحیتیں سکڑ رہی ہیں بلکہ اندیشہ اس بات کا ہے کہ اس پر مجھ سے مواخذہ ہو۔ ان تمام احساسات کے باوجود میں اپنے آپ کو معذور سمجھتا رہا جس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ آدمی اپنے آپ کو معذور سمجھنے میں بڑا فیاض ہوتا ہے۔

بہرحال اب میں پورے شرح صدر کے ساتھ اس کام میں شریک ہوتا ہوں اور ان تمام دوستوں کا دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے اس عظیم فرض کی اہمیت کو سمجھا اور ہم سب کو اس کے سمجھانے کا اہتمام کیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی طرف سے ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

امین احسن اصلاحی